وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

(یعنی مومن) اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں (شوریٰ آیت ۳۸)

مشورہ اور استخارہ

کی

شرعی حیثیت

مصنف

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز دامت برکاتہم

مکتبہ رحمانیہ
ناصر روڈ سیالکوٹ

مشورہ اور استخارہ

مصنف

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز دامت برکاتہم

مکتبہ رحمانیہ
ناصر روڈ سیالکوٹ
Ph:052-4591911 Mob:03006161913

نام رسالہ .... مشورہ اور استخارہ

مصنف .... شیخ الحدیث محمد علی جانباز حفظہ اللہ

طبع .... اول

تعداد ۱۰۰۰

قیمت ....

سن اشاعت .... مارچ ۲۰۰۷ء

کمپوزنگ .... یاسر کمپوزنگ سنٹر
03214324632

ناشر

مکتبہ رحمانیہ
ناصر روڈ سیالکوٹ

052-4591911
0300-6161913

فہرست مضامین رسالہ

”مشورہ اور استخارہ“

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ!

مشورہ اور استخارہ دینی امور اور مسائل کے دو بڑے اہم امر ہیں۔ لوگوں کو اکثر وبیشتر ان کی ضرورت پڑتی ہے مگر اکثر لوگوں کو ان کی دینی حیثیت واہمیت کا علم نہیں ہوتا اس لیے ان پر عمل نہیں ہوتا۔ بدیں وجہ ان کے فوائد سے لوگ محروم رہتے ہیں۔

لوگوں کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے یہ رسالہ لکھا گیا ہے اس میں استخارہ اور مشورہ کے متعلق تمام ضروری مسائل کو یکجا کر دیا ہے تا کہ لوگ آسانی سے ان سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینی امور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد علی جانباز

جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ

۲۰۰۶-۱-۲۴

مشورہ کی اہمیت وآداب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تجربہ شاہد ہے کہ دنیا میں بسنے والے انسان عقل وفکر اور غور وتدبر کی صفات میں یکساں نہیں، بلکہ انسانی صلاحیتیں حالات وواقعات، گردوپیش کے ماحول اور تربیت کے طرق کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہیں، بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص ایک زمانے میں کسی مخصوص موضوع کے متعلق معلومات کے ایک وسیع ذخیرے کا حامل ہوتا ہے، اسی طرح کسی ذوجہات بات کے مختلف پہلوؤں تک مختلف افراد کی رسائی ہوتی ہے اس لئے جب کوئی تنقیح طلب مسئلہ ارباب شوریٰ کے سامنے پیش ہوتا ہے تو وہ اپنی خداداد بصیرت کی گہرائی سے نہایت ہی آبدار موتی نکال کر لاتے ہیں، جس سے مسئلہ منقح ہو جاتا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام (جن کی براہ راست تربیت رب الارباب کی طرف سے ہوتی ہے) کے علاوہ کوئی بھی ایسا نہیں ہوسکتا جو مشورہ کی اہمیت سے انکار کرے، اسی لئے دنیا کے تمام علمی طبقے اور دانشور انسانی زندگی کی ابتداء ہی سے مشورے کی اہمیت کے قائل ہیں، قرآن وحدیث میں بھی مشورہ کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔

چنانچہ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو صحابہ کرامؓ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾.

یعنی حسب سابق اپنے فیصلوں اور کاموں میں ان حضرات سے مشورہ بھی لیا کریں تاکہ ان کی پوری تسلّی ہو جائے' اس میں اس کی طرف ہدایت فرمائی کہ جو خیر خواہی کا داعیہ ان کے لیے قلب میں ہے عمل سے بھی اس کا اظہار کریں کہ اپنی مشاورت سے ان کو مشرف فرمادیں۔

اس پوری آیت میں مصلح و مبلغ کے لیے چند صفات کا ہونا ضروری قرار دیا گیا، اوّل سخت کلامی اور کج خلقی سے بچنا، دوسرے ان لوگوں سے کوئی غلطی یا ان کے متعلق ایذاء کی کوئی چیز صادر ہو جائے تو انتقام کے درپے نہ ہونا بلکہ عفو و درگذر کا معاملہ کرنا، تیسرے یہ کہ ان کی خطاؤں اور لغزشوں کی وجہ سے اُن کی خیر خواہی نہ چھوڑنا، ان کے لیے دعاء و استغفار بھی کرتے رہنا اور ظاہری معاملات میں ان کے ساتھ حُسن سلوک کا معاملہ نہ چھوڑنا، مذکورہ آیت میں آنحضرت ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کا حکم اور پھر مشورہ کے بعد طریق عمل کی ہدایت کی گئی ہے، مشورہ کے بارے میں قرآن کریم نے دو جگہ صریح حکم دیا ہے، ایک یہی آیت مذکورہ' دوسرے سورہ شوریٰ کی آیت جس میں سچے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ

﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾. [آیت: ۳۸]

ترجمہ: ''....اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز کو قائم رکھا اور آپس کے مشورہ سے کام کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

قطع نظر اس کے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو مشورہ کا حکم فرمایا گیا وہ

استحبابی تھا یا وجوبی، البتہ اس سے اتنی بات تو اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مشورہ کی اہمیت مسلم ہے' جیسا کہ امام ابوبکر جصاصؒ نے ''احکام القرآن'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

" یدل علی جلالة موقع المشورة لذكره لها مع الایمان واقامة الصلوة ویدل علی انا مامورون بها. "

[احکام القرآن ۳:۳۸۶]

ترجمہ:.... ''ایمان اور اقامت صلوۃ کے ساتھ مشورہ کا ذکر کرنا' اس کی جلالت شان کی دلیل ہے اور یہ کہ ہمیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔''

لفظ امر کی تحقیق

لفظ امر کا اِطلاق عربی زبان میں کئی معنی کے لیے ہوتا ہے، ایک عام معنی میں آتا ہے، جو ہر مُہتم بالشان قول وفعل کو شامل ہے، دوسرا اِطلاق بمعنی حکم اور حکومت ہے، جس پر قرآن کریم میں لفظ اُولِی الْاَمْرِ محمول ہے، تیسرا اِطلاق حق تعالی کی ایک مخصوص صفت کے لیے ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیات میں ہے مثلاً ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾(الأعراف:٥٤)﴿ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهُ ﴾ (هود:١٢٣)﴿ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ ﴾(ال عمران:١٥٤)﴿ اَمْرُهُ اِلَى اللّٰهِ ﴾(البقرة: ٢٧٥) اور محققین کے نزدیک ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾(بنی اسرائیل:٨٦) میں بھی یہی امر مراد ہے، اب قرآن مجید کے ارشاد ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ﴾اور ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ میں دونوں معنی کا احتمال ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلے ہی معنی مراد ہیں اور دوسرے معنی بھی اس میں شامل

ہیں تو یہ بھی کچھ بعید نہیں، کیونکہ حکم اور حکومت کے معاملات بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں، اس لیے امرؔ کے معنی ان آیات میں ہر اس کام کے ہیں جو خاص اہمیت رکھتا ہو، خواہ حکومت سے متعلق ہو، خواہ معاملات سے۔

مشورہ اور شوریٰ کی لغوی تحقیق

زبان عرب میں چند الفاظ کا استعمال اس بارہ میں ہوتا ہے۔ ۱۔ مشورہ ۲۔ شوریٰ (رائے دینا) ۳۔ مشاورہ (باہم رائے زنی کرنا) ۴۔ اِسْتِشَارَہْ (رائے طلب کرنا) یہ الفاظ ہیں جو خاص طور پر رائے زنی کے موقع میں بولے جاتے ہیں ایک لفظ اور بھی ہے جس کا استعمال مخصوص اس بارہ میں نہیں ہے بلکہ صلہ کے بدلنے سے اس کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ اور وہ لفظ اشارہ کے صلہ میں الیٰ آتا ہے تو اس کے معنی محض کسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے ہوتے ہیں اور اگر علیٰ آتا ہے تو اس کے معنی مشورہ دینے کے ہو جاتے ہیں اشارہ کے بعد الیٰ اور علیٰ کے آنے سے معنی کیوں بدلتے ہیں تو اس کو ہم آگے بیان کریں گے۔ یہ پانچوں الفاظ اگرچہ باعتبار صیغوں اور باب کے مختلف ہیں۔ مگر ماخذ اور موضع اشتقاق ان کا ایک ہے ان سب کی اصل شور ہے۔

اربابِ فہم و دانش یہ معلوم کر کے بہت ہی مسرور ہوں گے کہ مشورہ و مشاورہ سے جو اصلی غرض ہے کہ چند مختلف ضعیف و قوی، صحیح و منقح رائے اور قول مخلصانہ و غیر مخلصانہ اقوال اور ایوان سے ایک عمدہ صحیح و منقح رائے اور قول حاصل ہو جائے۔ اور وہ صحیح رائے ذریعہ خرابیوں اور تباہیوں سے محفوظ رہنے اور مقاصد میں کامیابی و فلاح کا بن جائے اس کا لحاظ ان الفاظ کے اشتقاق

اور ترکیب میں پورا پورا ملحوظ ہے۔

شُوْر: چھتہ میں سے شہد نکالنے کو کہتے ہیں۔ شَارَ یَشُوْرُ اس کا ماضی مضارع آتا ہے۔ کہتے ہیں شُرْتُ الْعَسَلَ (میں نے شہد کو نکالا) مشوارہ اور شُوْرَہ آلہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے شہد نکالا جاتا ہے۔ مشوارہ اور شورہ اس موقع کو کہتے ہیں جہاں شہد کی مکھیاں شہد جمع کرتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ شہد جو ایک شیریں مفید اور نافع چیز ہے جس کو باری تعالیٰ نے ﴿شفاء للناس﴾ (وہ لوگوں کے لئے شفاء امراض ہے) فرمایا ہے جو دواء وغذا ہونے کی حیثیت سے تمام دنیا میں محبوب و مطلوب اور محتاج الیہ ہے مکھیوں کے چھتہ میں ان کے زہر آلود ڈنکوں میں گھرا ہوتا ہے اور شہد کے نکالنے والے ان تکالیف کا مقابلہ کر کے اس کو بمشکل نکالتے ہیں لفظ شور سے ہی شَارہ و شُورَہ نکلے ہیں اور ان کے معنی حسن صورت عمدگی اور اچھی ہیئۃ ووضع کے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے ((اِنَّ رَجُلًا اَتَاہُ وَعَلَیْہُ شَارَۃٌ حَسَنَۃٌ)) (ایک شخص آپ کی خدمت میں بدیں حال حاضر ہوا کہ اس کا لباس اچھا تھا اس کی ہیئات و حالت اچھی تھی) عرب میں بولتے ہیں فلان حسن شورۃ (فلاں شخص اچھی ہیئت والا ہے) فلان حسن شورہ (فلاں شخص اچھے لباس والا ہے)۔

گھوڑے وغیرہ جانوروں کو فروخت کے لیے خریداروں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور خریدار اس کو آگے پیچھے سے اوپر نیچے سے اچھی طرح دیکھتا اور اس کے ایک ایک عضو کو ٹٹولتا ہے اس کو بھی شــــــور کہتے ہیں۔ فوجی گھوڑے آزمائش اور امتحان کے لئے میدان میں جمع کیے جائیں اس کو بھی شور

کہتے ہیں اور جس جگہ یا جس میداں میں گھوڑے وغیرہ فروخت یا آزمائش کے لیے پیش کئے جائیں اس کو مِشْوارہ کہتے ہیں۔

غرض شور اور اس سے جو الفاظ بنائے گئے ہیں ان میں شیرینی، حسن اور انتخاب کے معنی ہر جگہ موجود ہیں انتخاب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہتر سے بہتر چیز کو جس میں ایسے عیوب نہ ہوں جن کی وجہ سے چھوڑ دینے کے قابل سمجھی جائے پسند کیا جاتا ہے۔

مشورہ۔ شوری۔ استشارہ۔ مشاورہ۔ سب الفاظ شوری سے بنائے گئے ہیں۔ اور ان میں اصل معنی مصدر اور اس کے تمام استعمالات جس قدر ہیں ملحوظ رکھے گئے ہیں ظاہر ہے مشورہ کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اچھی بری، صحیح اور غلط کاریوں سے بہترین اور مثمر اور منتج رائے کا انتخاب کرلیا جائے۔ اور ظاہر ہے کہ جو رائے ہر قسم کی رایوں سے منتخب کی جائے گی محبوب و مرغوب طبع حسن اور پسندیدہ ہوتی ہے اور جیسا کہ شہد تمام امراض سے شفا کا کام دیا ہے۔ اچھی اور نیک رائے بھی مہلکات سے نجات دینے والی منزل مقصود تک پہنچانے والی اور ندامت وافسوس سے محفوظ رکھنے والی ہوتی ہے۔

ناظرین ہمارے اس مختصر بیان سے زبان عرب کی وسعت اس کی لطافت وخوبی۔ الفاظ ومعنی کی مناسبتوں کا اندازہ بخوبی کرسکتے ہیں۔ یہی وہ خصوصیت ہے کہ دنیا کی کوئی زبان، کسی قوم کا لغت اس کی ہمسری کا دعوی نہیں کرسکتا۔

رہا لفظ اشارہ جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اس کا استعمال کسی شے

کے بتلانے اور رائے دینا دونوں معنی میں آتا ہے۔مگر لغت عرب کے واضع نے اس میں بھی اسی باریکی اور لطافت سے کام لیا ہے جو زبان عربی کا خاصہ ہے۔ حروف میں سے حرف الیٰ کے معنی منزل مقصود تک پہنچا دینے یا متوجہ کردینے یا کسی چیز کو بتلا دینے کے ہیں۔اور علیٰ کے معنی لازم و واجب کردینے کے آتے ہیں۔عربی زبان میں اگر اشارہ الیہ بولتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فلاں چیز کی طرف اشارہ کردیا اس میں وجوب عمل کی طرف ایماء نہیں ہوتا برخلاف اشارہ علیہ (اس کو مشورہ دیا) اس میں یہ معنی ضرور ملحوظ ہیں کہ جس کو مشورہ دیا گیا ہے اس کو عمل کرنا ایک حد تک ضروری اور لازم دیا گیا ہے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب قاتل ہرمزان کے بارہ میں مشورہ طلب کیا تو ارشاد فرمایا: اشیروا علی فی هذا الرجل الذی فتق فی الاسلام ما فتق (مجھے اس شخص کے بارہ میں جس نے اسلام کے اندر اتنا بڑا رخنہ ڈالا مشورہ دو) الفاظ بتا رہے ہیں کہ آپ ایسی رائے طلب کرتے تھے جس پر عمل فرما دیں۔اور ظاہر ہے کہ جبکہ ایک جماعت سے کسی معاملہ میں رائے طلب کی جاتی ہے تو ہر شخص اپنی رائے کو واجب العمل سمجھ کر پیش کرتا ہے اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ اکثر و بیشتر اس رائے پر عمل نہ کرنے سے مشیر کو ملال یا کبیدگی ضرور ہوتی ہے۔گو عقل و نقل کے قاعدہ سے اس کبیدگی یا ملال کے اظہار یا اس پر جمود کا کوئی حق نہیں ہے۔لغۃ کی تحقیق میں جس قدر لکھ دیا گیا ہمارے نفس مدعا کے لیے کافی ہے اس سے زیادہ کی اس موقع میں گنجائش نہیں۔

مشورہ کرنے کا حکم

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الأَمْرِ﴾ میں اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ فرمانے کا حکم دیا، رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی اپنے صحابہؓ سے مشورہ فرماتے تھے اور اس کے بعد بھی آپ ﷺ نے مشورے فرمائے۔ آیت شریفہ میں مشورے کا حکم دے کر حضرات صحابہؓ کی اللہ نے دلجوئی فرمائی اور ان کا اعزاز و اکرام فرمایا۔ یہ مشورہ ان امور میں نہیں تھا جہاں کوئی نص قطعی اور واضح حکم اللہ تعالی کی طرف سے موجود ہو' جن امور کو رسول اللہ ﷺ کے سپرد فرما دیا گیا ان میں مشورہ کرنے کا حکم فرمایا۔

مشورہ کی ضرورت و اہمیت

اس سے مشورہ کی اہمیت اور ضرورت ظاہر ہوئی اور یہ بھی پتہ چلا کہ جب سید الاولین والآخرین رحمہ اللہ مشورہ سے مستغنی نہیں۔ تو آپ ﷺ کے بعد ایسا کون ہو سکتا ہے جو مشورہ سے بے نیاز ہو' آئندہ آنے والے اُمراء اور اَصحاب اقتدار اور امت کے کاموں کے ذمہ دار جو بھی آئیں سب کے لیے مشورہ کرنے کی ضرورت واضح ہوگئی۔ مشورہ میں بہت خیر ہے جو اصحاب رائے ہوں خواہ عمر یا مرتبہ میں چھوٹے ہی ہوں ان کو مشورہ میں شریک کرنا چاہیے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مشورہ کرنے کی صورت میں مختلف رائیں سامنے آجاتی ہیں۔ ان آراء کے درمیان سے کسی مناسب ترین رائے کو اختیار کر لینا آسان ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ بڑے کی نظر سے وہ گوشے اوجھل رہ جاتے ہیں جو چھوٹوں کی

سمجھ میں آجاتے ہیں۔ تمام گوشے سامنے آنے سے کسی پہلو کو اختیار کرنے میں بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ کہ رسول اللہ رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ

((مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ)).

[مجمع الزوائد: ۲/ ۲۸۰]

"جس نے استخارہ کیا وہ ناکام نہ ہوگا اور جس نے مشورہ کیا اُسے ندامت نہ ہوگی۔"

خانگی اُمور میں اور اداروں کے معاملات میں مشورے کرتے رہنا چاہیے جن لوگوں سے مشورہ کیا جائے ان کے ذمہ لازم ہے کہ وہ وہی رائے دیں جسے اپنی دیانت سے فِيمَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ اللهِ صحیح سمجھتے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ)). [الترمذی وابن ماجه]

"جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہے۔"

اگر کوئی شخص اپنے ذاتی معاملہ میں مشورہ کرے تب بھی اسے وہی مشورہ دے جو اس کے حق میں بہتر ہو۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ اَشَارَ عَلٰى اَخِيْهِ بَاَمْرٍ يَعْلَمُ اَنَّ الرُّشْدَ فِيْ غَيْرِهٖ فَقَدْ خَانَهٗ)).

"جس نے اپنے بھائی کو کوئی ایسا مشورہ دیا جس کو وہ سمجھتا ہے کہ

مشورہ لینے والے کی بہتری دوسری رائے میں تھی (جو پیش نہیں کی گئی) تو اس نے اس کی خیانت کی۔"

حضرت علیؓ سے اس کا ایک قاعدہ کلیہ مروی ہے جسے علامہ سخاوی نے "المقاصد الحسنه ص ۳۸۲" میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ

(فَإِذَا اسْتُشِيرَ اَحَدُكُمْ فَلْيُشِرْ بِمَا هُوَ صَانِعٌ لِنَفْسِهٖ).

"جس کسی سے مشورہ طلب کیا جائے تو وہ وہ مشورہ دے جسے وہ اپنے لیے اختیار کرتا ہے اگر وہ خود اس حال میں مبتلا ہوتا جس میں مشورہ لینے والا مبتلا ہے۔"

اور یہ مضمون اس حدیث کے مطابق ہے جس میں افضل الایمان بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

((اَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهَ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ)) [مشكوة: ص ١٦].

"یہ کہ تو لوگوں کے لیے اُسی کو پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور لوگوں کے لیے اس چیز کو ناپسند جانے جس کو اپنے لیے ناپسند جانتا ہے۔"

مشورہ کی شرعی حیثیت

اس بارہ میں قرآن کریم کے ارشادات مذکورہ اور احادیث نبویہ ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایسے معاملہ میں جس میں آراء مختلف ہوسکتی ہوں خواہ وہ حکم و حکومت سے متعلق ہو یا کسی دوسرے معاملہ سے باہمی مشورہ لینا رسول

کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی سنت اور دنیا و آخرت میں باعثِ برکات ہے، قرآن و حدیث میں اس کی تائید آتی ہے اور جن معاملات کا تعلق عوام سے ہے جیسے معاملاتِ حکومت ان میں مشورہ لینا واجب ہے۔ (ابن کثیر)

امام بیہقیؒ شُعَب الایمان میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور باہم مشورہ کرنے کے بعد اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو صحیح اور مفید صورت کی طرف ہدایت مل جاتی ہے۔''

ایک اور حدیث میں ہے کہ

''جب تمہارے حُکّام تم میں سے بہترین آدمی ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوا کریں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے حُکّام بدترین اَفراد ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں، اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کے اندر دفن ہو جانا تمہارے زندہ رہنے سے بہتر ہوگا۔ [مشکوۃ: ص ٤٥٩]

مطلب یہ ہے کہ جب تم پر خواہش پرستی غالب آجائے کہ بھلے برے اور نافع و مضر سے قطع نظر کر کے محض عورت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے معاملات ان کے سپرد کر دو تو اس وقت کی زندگی سے تمہارے لیے موت بہتر ہے۔ ورنہ مشورہ میں کسی عورت کی بھی رائے لینا کوئی ممنوع نہیں، رسول

کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے تعامُل سے ثابت ہے اور قرآن کریم میں سورہ بقرہ کی آیت میں ارشاد ہے:

﴿ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ ﴾.

''بچہ کا دودھ چھڑانا باپ اور ماں کے باہمی مشورہ سے ہونا چاہیے۔''

اس میں چونکہ معاملہ عورت سے متعلق ہے، اس لیے خاص طور سے عورت کے مشورہ کا پابند کیا گیا ہے۔ (معارف القرآن ۲/۲۱۹)

مشورہ کے آداب

مشورہ سے متعلق نصوص پر نظر کرنے سے مشورہ کے سلسلے میں درج ذیل آداب سمجھ میں آتے ہیں:

۱:...ہر کس و ناکس سے مشورہ نہ لیا جائے' بلکہ متعلقہ مسئلہ میں روشن ضمیر' عالی دماغ' اور صاحب بصیرت حضرات سے ہی مشورہ لیا جائے۔

۲:...جس سے مشورہ طلب کیا جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ خوب غور وفکر کر کے دیانتداری اور اِیمان داری کے ساتھ تمام پہلوؤں کو مدِ نظر رکھ کر مشورہ دے' اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ)).

''جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔''

۳:...شریعت کی طرف سے طے شدہ اور منصوص مسائل پر مشورہ نہیں لیا جائے گا' اسی طرح جن اشیاء میں عقلی طور پر ایک جہت عمل کرنے کے لیے متعین ہو' ان

میں بھی مشورہ نہ ہوگا' بلکہ مشورہ اس مسئلہ میں ہوگا جس کے بارے میں خفا ہو اور کسی ایک طرف میلان نہ ہوتا ہو۔

۴:...مشورہ کرنے سے پہلے مشورہ نہ ہو اور اس کے بعد تبصرہ نہ ہو۔

۵:...اگر کسی دینی معاملہ میں مشورہ ہو تو جس کی بات مان لی جائے وہ تکبر اور بڑائی میں مبتلا نہ ہو' بلکہ اس کو تائید الٰہی سمجھے اور دل میں ڈرتا رہے کہ کہیں میری رائے سے کوئی نقصان نہ ہو جائے اور جس کی رائے قبول نہ ہو' وہ دل شکستہ نہ ہو' بلکہ یہ سوچے کہ اسی میں خیر ہوگی۔

۶:...اجتماعی امور میں مشورہ دیتے وقت اجتماعی مفاد سامنے رکھا جائے' نہ کہ ذاتی مفاد۔

مشورہ کے فوائد و ثمرات: مشورہ کرنے کے بے شمار ثمرات ہیں' جیسا کہ ایک دانا کا قول ہے کہ آدمی تین طرح کے ہوتے ہیں:

۱:... پورا آدمی ۲:...آدھا آدمی ۳:...لاشی۔

''پورا آدمی'' وہ ہے جو خود بھی اہل ہو اور دوسروں سے بھی مشورہ کرے۔ ''آدھا آدمی'' وہ ہے جو خود تو مشورہ کا اہل نہ ہو' لیکن دوسروں سے مشورہ کرتا ہو اور ان کے رائے پر عمل کرتا ہے۔ اور ''لاشی'' وہ ہے جو نہ خود اہل ہو اور نہ کسی سے مشورہ کرے۔

اگر کوئی بڑا چھوٹوں اور اپنے ماتحتوں سے مشورہ کرے تو چھوٹوں اور ماتحت لوگوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس میں ان کی دلجوئی اور عزت افزائی ہے' جس سے وہ خوش ہوں گے اور ان کے اخلاص میں اضافہ ہوگا۔

ہوسکتا ہے کہ چھوٹوں اور ماتحتوں سے مشورہ طلب کیا جارہا ہو وہ کسی ایسی اچھی بات بتادیں جو سب کے فائدہ کی ہو اور بڑے کا ذہن اس طرف نہ گیا ہو۔

اس سے ماتحتوں کی عقل وادراک میں اضافہ ہوگا اور ان کے ساتھ ان کے مراتب کے مطابق پیش آنے میں آسانی ہوگی۔

جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہوتا ہے

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ اِذَا اسْتُشِيْرَ فَلْيُشِرْهُ بِمَا هُوَ صَانِعٌ لِنَفْسِهٖ". [طبرانی اوسط: ج۳ ص ۱۰۶]

"جس شخص سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے اس پر لازم ہے کہ اس معاملہ میں جو کام وہ خود اپنے لئے تجویز کرتا ہے وہی رائے دوسرے کو دے اس کے خلاف کرنا خیانت ہے۔"

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ

(ایک دن) نبی کریم ﷺ نے (ایک صحابی) حضرت ابوالہیثم بن تیّہانؓ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی غلام ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: "جب ہمارے پاس کہیں سے غلام آئے تو تم آجانا (میں تمہیں ایک غلام دوں گا) چنانچہ (کچھ عرصہ کے بعد) جب نبی کریم ﷺ کے پاس دو غلام لائے گئے تو ابوالہیثمؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے نبی کریم ﷺ نے

اُن سے فرمایا کہ یہ دو غلام ہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے
لئے پسند کرلو! ابوالہثیمؓ نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! آپ ﷺ ہی
میرے لیے کوئی غلام پسند فرما دیجیے! آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس
شخص سے مشورہ لیا جائے اس کو امین ہونا چاہیے۔“

یعنی مشیر کو چاہیے کہ مشورہ چاہنے والے کی بھلائی و بہبودی کو بہر صورت ملحوظ رکھے اور وہی مشورہ دے جو اُس کے حق میں بہتر ہو! گویا آپ ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ ابوالہیثم رضی اللہ عنہ پر واضح کیا کہ جب تم نے حق انتخاب میرے سپرد کردیا۔ مجھ سے مشورہ چاہتے ہو تو میں تمہیں وہی غلام دوں گا جو تمہارے لیے بہتر و مناسب ہو۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ان دونوں غلاموں میں سے ایک غلام
کو (اشارہ کرکے فرمایا کہ) اس غلام کو لے جاؤ کیونکہ میں نے اس
کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے (یعنی یہ غلام چونکہ نمازی اور دین
دار ہے اس لیے تمہارے حق میں بہت اچھا رہے گا) اور اس کے
ساتھ اچھا سلوک اور بھلائی اختیار کرنے کی میری وصیت پر ہمیشہ
وصیت پر عمل کرنا۔“ (ترمذی)

ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ

جب حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ اُس غلام کو لے کر اپنے گھر آئے اور اہلیہ
محترمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ آپ ﷺ نے مجھ کو یہ غلام عطا کیا ہے اور
اس کے ساتھ اچھا سلوک اور بھلائی کرنے کی وصیت فرمائی ہے تو

اُن کی بیوی نے کہا کہ اس وصیت پر عمل پیرا ہونے کا حق شاید ادا نہ ہو سکے۔اس لیے اس کے ساتھ حسن سلوک یہی ہے کہ اس کو آزاد کر دو! [مشکوۃ ص ۴۵۹]

البتہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ مشورہ صرف انہی چیزوں میں مسنون ہے جن کے بارہ میں قرآن وحدیث کا کوئی واضح قطعی حکم موجود نہ ہو، ورنہ جہاں کوئی قطعی اور واضح حکم شرعی موجود ہو اس میں کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں بلکہ جائز بھی نہیں مثلاً کوئی شخص اس میں مشورہ کرے کہ نماز پڑھے یا نہیں، زکوۃ دے یا نہیں، حج کرے یا نہیں، یہ مشورہ کی چیزیں نہیں،شرعی طور پر فرض قطعی ہیں ،البتہ اس میں مشورہ کیا جاسکتا ہے کہ حج کو اس سال جائے یا آئندہ، اور بحری جہاز سے جائے یا ہوائی سے اور خشکی کے راستہ سے جائے یا دوسرے طریق سے۔

اسی طرح زکوۃ کے معاملہ میں یہ مشورہ لیا جاسکتا ہے کہ اس کو کہاں اور کن لوگوں پر خرچ کیا جائے کیونکہ یہ سب امور شرعاً اختیاری ہیں۔

ایک حدیث میں خود اس کی تشریح رسول کریم ﷺ سے منقول ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا حکم صراحۃً قرآن میں نازل نہیں ہوا، اور آپ سے بھی اس کے متعلق کوئی ارشاد ہم نے نہ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

”ایسے کام کے لیے اپنے لوگوں میں سے عبادت گذار، فقہاء کو جمع

کرو اور ان کے مشورہ سے اس کا فیصلہ کرو کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔'' [اخرجه الخطیب]

اس حدیث شریف سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مشورہ صرف دنیاوی معاملات میں نہیں بلکہ جن احکام شرعیہ میں قرآن وحدیث کی صریح نصوص نہ ہوں ان احکام میں بھی باہمی مشورہ مسنون ہے اور دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشورہ ایسے لوگوں سے لینا چاہیے جو موجودہ لوگوں میں تَفَقُّہ اور عبادت گذاری میں معروف ہوں۔

نیز خطیب بغدادی نے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے:

"اِسْتَرْشِدُوا الْعَاقِلَ وَلَا تَعْصُوْهُ فَتَنْدَمُوْا".

''عقل مند آدمی سے مشورہ لو اور اس کے خلاف نہ کرو ورنہ ندامت ہوگی۔''

ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ مجلس شوریٰ کے ارکان میں دو وصف ضروری ہیں۔ایک صاحب عقل ورائے ہونا، دوسرے عبادت گذار ہونا، جس کا حاصل ذی رائے اور متقی ہونا اور اگر مسئلہ شرعی ہے تو عالمِ دین ہونا بھی لازم ہے۔

مشورہ اقوال صحابہؓ اور سلف امت کی نظر میں

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

نِعْمَ الْمُوَازَرَةُ الْمُشَاوَرَةُ وَبِئْسَ الِاسْتِعْدَادُ الِاسْتِبْدَادُ.

''باہمی مشورہ سے بوجھ کا تقسیم کرنا بہت خوب ہے اور بُری مستعدی ہے خودرائے ہونا۔''

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

اَلرِّجَالُ ثَلَاثَةٌ رَجُلٌ تَرِدُ عَلَيْهِ الْأُمُوْرُ فَيُسَدِّدُهَا بِرَأْيِهٖ وَرَجُلٌ يُشَاوِرُ فِيْمَا أَشْكَلَ وَيَنْزِلُ حَيْثُ يَأْمُرُهُ أَهْلُ الرَّأْيِ وَرَجُلٌ حَائِرٌ لَا يَأْتَمِرُ رُشْدًا وَ لَا يَطِيْعُ مُرْشِدًا.

''آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ایک وہ جس پر معاملات آئیں اور وہ اپنی رائے سے ان کی درستی واصلاح کردے دوسرے وہ جو مشکلات میں اوروں سے مشورہ کے بعد اہل الرائے کی رائے کا اتباع کرتا ہے اور تیسرا حیران ہے نہ کسی سے بھلائی کا مشورہ لیتا ہے نہ کسی ہدایت کرنے والے کی اطاعت کرتا ہے۔''

حضرت علیؓ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْاِسْتِشَارَةُ عَيْنُ الْهِدَايَةِ وَقَدْ خَاطَرَ مَنِ اسْتَغْنٰى بِرَأْيِهٖ.

''مشورہ حاصل کرنا عین عبادت ہے اور جو شخص اپنی رائے پر اعتماد کیے ہوئے ہے اس نے خطرناک راہ اختیار کی۔''

حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں:

مَا تَشَاوَرَ قَوْمٌ قَطُّ اِلَّا هُدُوْا لِاَرْشَدِهِمْ ثُمَّ تَلَا وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ.

''جب کوئی قوم کسی معاملہ میں مشورہ کرتی ہے تو ان کو بہترین بات

کی.........ہوتی ہے اس کی تاکید میں انہوں نے آیت وامرھم
شوری بینھم تلاوت فرمائی۔"

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمَشُوْرَۃَ وَالْمُنَاظَرَۃَ بَابَا رَحْمَۃٍ وَمِفْتَاحَا بَرَکَۃٍ لَا یَضِلُّ مَعَهُمَا رَأْیٌ وَلَا یُفْقَدُ مَعَهُمَا حَزْمٌ.

"مشورہ اور مناظرہ رحمت کے دو دروازے اور برکت کی دو کنجیاں ہیں ان کے بعد رائے مخفی نہیں رہتی۔ نہ حزم واحتیاط مفقود ہوتے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ نے اپنے ایک خط میں جو ہارون رشید کو لکھا تحریر فرمایا:

اِلْزَمِ الرَّأْیَ الْحَسَنَ وَالْھُدٰی وَالْاِقْتِصَادَ بَلَغَنِیْ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اَنَّہٗ قَالَ: اَلرَّأْیُ الْحَسَنُ جُزْءٌ مِنْ خَمْسَۃٍ وَ عِشْرِیْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّۃِ.

"میانہ روی کو مضبوطی سے پکڑنا مجھ کو ابن عباسؓ سے روایت پہنچی ہے وہ فرماتے ہیں اچھی رائے نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔"

رسول کریم ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کا درجہ

آیت میں رسول اللہ ﷺ کو اس کا حکم دیا گیا ہے کہ صحابہ کرام سے مشورہ لیں۔ اس میں یہ اشکال ہے کہ آپ ﷺ تو اللہ کے رسول اور صاحب وحی ہیں، آپ کو کسی سے مشورہ کی کیا حاجت ہے، آپ کو ہر چیز حق تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی معلوم ہو سکتی ہے، اس لیے بعض علماء نے اس حکم مشورہ کو

اس پر محمول کیا ہے کہ آپ کو نہ مشورہ کی ضرورت تھی نہ اس مشورہ پر آپ ﷺ کے کسی کام کا مدار تھا صرف صحابہ کرام کے اعزاز اور دلجوئی کے لیے مشورہ کا حکم آپ ﷺ کو دیا گیا ہے لیکن ابوبکر جصّاص نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ معلوم ہو کہ ہمارے مشورہ پر کوئی عمل نہیں ہوگا اور نہ مشورہ کا کسی کام پر کوئی اثر ہے تو پھر اس مشورہ پر کوئی دل جوئی اور اعزاز بھی نہیں رہتا بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ آپ ﷺ کو عام امور میں تو براہ راست اللہ تعالی کی طرف سے بذریعہ وحی ایک طریق کار متعین کردیا جاتا ہے مگر بمقتضائے حکمت ورحمت بعض امور کو آپ ﷺ کی رائے اور صوابدید پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی اُمور میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی قسم کے اُمور میں مشورہ لینے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کی مجالس مُشاورت کی تاریخ بھی یہی بتلاتی ہے۔

آپ ﷺ نے غزوہ بدر کے لیے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا تو انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ ہمیں دریا میں کود پڑنے کا حکم دیں تو ہم اس میں کود پڑیں گے ، اور اگر آپ ہمیں برک الغماد جیسے دور دراز مقام کی طرف چلنے کا ارشاد فرمائیں گے تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہوں گے ، ہم موسی علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا رب کفار سے مقابلہ کریں بلکہ ہم یہ عرض کریں گے کہ آپ تشریف لے چلیں ہم آپ کے ساتھ آپ سے آگے پیچھے اور دائیں بائیں دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

اسی طرح غزوہ احد میں اس بارہ میں مشورہ کیا کہ کیا مدینہ شہر کے اندر

رہ کر مدافعت کریں یا شہر سے باہر نکل کر، عام طور سے صحابہ کرامؓ کی رائے باہر نکلنے کی ہوئی تو آپ ﷺ نے اسی کو قبول فرمایا، غزوہ خندق میں ایک خاص معاہدہ پر صلح کرنے معاملہ درپیش آیا تو سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ نے اس معاہدہ مناسب نہ سمجھ کر اختلاف کیا۔ آپ نے انہی دونوں کی رائے قبول فرمائی حدیبیہ کے اہم معاملہ میں مشورہ لیا تو صدیقؓ اکبر کی رائے پر فیصلہ فرمادیا۔ قصہ افک میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا۔

(ابن کثیر ص ۱۴۲ ج ۲)

یہ سب معاملات وہ تھے جن میں آپ ﷺ کے لیے بذریعہ وحی کوئی خاص جانب متعین نہیں گئی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبوت ورسالت اور صاحب وحی ہونا کچھ مشورہ کے منافی نہیں اور یہ بھی...... نہیں کہ یہ مشورہ محض نمائشی دل جوئی کے لیے ہو اس کا اثر معاملات پر نہ ہو بلکہ بہت مرتبہ مشورہ دینے والوں کی رائے کو آپ نے اپنی رائے کے خلاف بھی قبول فرمالیا۔ بلکہ بعض امور میں آپ ﷺ کے لیے بذریعہ وحی کوئی خاص صورت متعین نہ فرمانے اور مشورہ لے کر کام کرنے میں حکمت و مصلحت یہ بھی ہے کہ آئندہ امت کے لے ایک سنت رسول کریم ﷺ کے عمل سے جاری ہو جائے کہ جب آپ کو بھی مشورہ سے استغناء نہیں تو پھر ایسا کون ہے جو استغناء کا دعوی کر سکے اسی لئے رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ میں ایسے مسائل میں مشاورت کا طریق ہمیشہ جاری رہا جن میں کوئی نص شرعی نہ تھی اور آپ کے بعد صحابہ کرام کا بھی یہی معمول رہا بلکہ بعد میں تو ایسے احکام شرعیہ کی دریافت کے لیے یہی مشورہ کا معمول رہا جن میں قرآن وحدیث

کا کوئی صریح فیصلہ نہ تھا کیونکہ حضرت علیؓ کے سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے یہی طریق کار بتلایا تھا (معارف القرآن ص ۲۲۲ ج ۲)

حکومتِ اسلامی میں مشورہ کا درجہ کیا ہے؟

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کریم نے دو جگہ مشورہ کا ذکر فرمایا ہے ایک یہی آیت مذکورہ اور دوسرے سورہ شوریٰ کی آیت جس میں سچے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے ایک صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾

''ان کا کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے۔''

ان دونوں جگہ پر مشورہ کے ساتھ لفظ اَمر مذکور ہے اور لفظ اَمر کی مفصل تحقیق اوپر بیان ہو چکی ہے کہ ہر مہتم بالشان قول و فعل کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور حکم اور حکومت کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ امر کے خواہ معنی اوّل مراد لیں یا دوسرے معنی، حکومت کے معاملات میں مشورہ لینا بہرصورت ان آیات سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ حکم یا حکومت مراد لینے کی صورت میں تو ظاہر ہی ہے اور اگر معنی عام لئے جائیں۔ جب بھی حکم اور حکومت کے معاملات مہتم بالشان ہونے کی حیثیت سے قابل مشورہ ٹھہریں گے اس لئے امیرِ اسلام کے فرائض میں سے ہے کہ حکومت کے اہم معاملات میں اہلِ حَلّ و عَقد سے مشورہ لیا کرے، قرآن کی آیات مذکورہ اور رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کا مسلسل تعامل اس کی روشن سند ہے۔

ان دونوں آیتوں میں جس طرح معاملاتِ حکومت میں مشورہ کی

ضرورت واضح ہوئی اسی طرح ان سے اسلام کے طرز حکومت اور آئین کے کچھ بنیادی اُصول بھی سامنے آگئے کہ اسلامی حُکومت ایک شُورائی حکومت ہے جس میں امیر کا انتخاب مشورہ سے ہوتا ہے۔ خاندانی وراثت سے نہیں، آج تو اسلامی تعلیمات کی برکت سے پوری دنیا میں اس اصول کا لوہا مانا جاچکا ہے، شخصی بادشاہتیں بھی طَوْعاً و کَرْھاً اسی طرف آرہی ہیں لیکن اب سے چودہ سو برس پہلے زمانہ کی طرف مڑکر دیکھئے جبکہ پوری دنیا پر دو بڑوں کی حکومت تھی، ایک کسریٰ، دوسرا قیصر، اور ان دونوں کے آئین حکومتِ شخصی اور وراثتی بادشاہت ہونے میں مشترک تھے جس میں ایک شخص واحد، لاکھوں کروڑوں انسانوں پر اپنی قابلیت وصلاحیت سے نہیں بلکہ وراثت کے ظالمانہ اُصولوں کی بناء پر حُکومت کرتا تھا اور انسانوں کو پالتو جانوروں کا درجہ دینا بھی بادشاہی انعام سمجھا جاتا تھا۔ یہی نظریہ حکومت دنیا کے بیشتر حصہ پر مسلّط تھا صرف یونان میں جُمہوریت کے چند دھندلے اور ناتمام نُقوش پائے جاتے تھے، لیکن وہ بھی اتنے ناقص اور مدہم تھے کہ ان پر کسی مملکت کی بنیاد رکھنا مشکل تھا۔ اسی وجہ سے جُمہوریت کے ان یُونانی اُصولوں پر کبھی کوئی مستحکم حکومت نہیں بن سکی، بلکہ وہ اُصول ارسطو کے فلسفہ کی ایک شاخ بن کر رہ گئے۔ اس کے برخلاف اسلام نے حکومت میں وراثت کا غیر فطری اُصول باطل کرکے امیر مملکت کا عزل ونَصب جُمہور کے اختیار میں دے دیا جس کو وہ اپنے نمائندوں، اہل حَلّ وعَقد کے ذریعہ استعمال کرسکیں، بادشاہ پرستی کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا اسلامی تعلیمات ہی کے ذریعہ اس عادلانہ اور فطری نظام سے آشنا ہوئی۔ اور یہی روح ہے اسی

طرزِ حکومت کی جس کو آج جُمہوریت کا نام دیا جاتا ہے۔

لیکن موجودہ طرز کی جُمہوریتیں چونکہ بادشاہی ظلم وستم کے ردعمل کے طور پر وجود میں آئیں تو وہ بھی اس بے اعتدالی کے ساتھ آئیں کہ عوام کو مطلق العِنان بنا کر پورے آئینِ حکومت اور قانونِ مملکت کا ایسا آزاد مالک بنایا کہ ان کے قلب ودماغ، زمین وآسمان اور تمام انسانوں کے پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ اور اس کی اصلی مالکیت وحکومت کے تصور سے بھی بے گانہ ہوگئے، اب ان کی جُمہوریت اللہ تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے عوامی اختیار پر اللہ تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کو بھی بار خاطر خلافِ انصاف تصور کرنے لگیں۔

اسلامی آئین نے جس طرح خَلق خدا کو کسریٰ وقیصر اور دوسری شخصی بادشاہتوں کے جبر واستبداد کے پنجہ سے نجات دلائی اسی طرح نا خدا آشنا مغربی جُمہوریتوں کو بھی خدا شناسی اور خدا پرستی کا راستہ دکھلایا اور بتلایا کہ ملک کے حُکّام ہوں یا عوام، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قانون کے سب پابند ہیں۔ ان کے عوام اور عوامی اسمبلی کے اختیارات، قانون سازی، عزل ونَصب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حُدود کے اندر ہیں۔ ان پر لازم ہے کہ امیر کے انتخاب میں اور پھر عہدوں اور منصبوں کی تقسیم میں ایک طرف قابلیت اور صلاحیت کی پوری رعایت کریں تو دوسری طرف ان کی دیانت وامانت کو پرکھیں، اپنا امیر ایسے شخص کو منتخب کریں جو علم، تقویٰ، دیانت، امانت، صلاحیت، اور سیاسی تجربہ میں سب سے بہتر ہو۔ پھر یہ امیر منتخب بھی آزاد اور مطلق العنان نہیں بلکہ اہل رائے سے مشورہ لینے کا پابند رہے۔ قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور رسول اکرم ﷺ اور خلفائے

راشدین کا تعامل اس پر شاہد عدل ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

لا خلافة الا عن مشورة . (ابن ابی شیبة)

''شورائیت کے بغیر خلافت نہیں ہے۔''

شورائیت اور مشورہ کو اسلامی حکومت کے لیے اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔حتی کہ اگر امیر مملکت مشورہ سے آزاد ہو جائے یا ایسے لوگوں سے مشورہ لے جو شرعی نقطہ نظر سے مشورہ کے اہل نہ ہوں تو اس کا عزل کرنا ضروری ہے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

" قال ابن عطية: والشُّوْرٰی من قواعد الشريعة وعزائم الاحكام ومَنْ لَّايَسْتَشِيْرُ اَهْلَ الْعِلْمِ والدين فعزله واجب " . (تفسير قرطبی: ج٤ ص ٢٤٩)

''مشورہ شریعت کے مسلمہ اُصولوں اور اہم ترین احکام سے ہے۔ اور جو حاکم اہل علم ودین سے مشورہ نہیں کرتا بلکہ خودرائی سے کام لیتا ہے اسے معزول کر دینا لازمی ہے۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

''خلفاء اور حُکّام پر واجب ہے کہ دینی معاملات میں علماء سے، جنگی اُمور میں قائدینِ لشکر اور ماہرینِ حرب سے عام فلاح و بہبود کے کاموں میں سردارانِ قبائل سے اور ملک کی ترقی اور آبادی کے متعلق عقلمند وزراء و تجربہ کار عہدہ داروں سے مشورہ کریں۔''

اور نبی اکرم ﷺ کو مشورہ کرنے کے حکم کی حِکمت بیان کرتے ہوئے علامہ قُرطبی فرماتے ہیں:

ما امر الله نبيه بالمشاورة لحاجة منه الى رائهم وانما اراد ان يعلمهم ما فى المشاورة من الفضل ولتقتدى به امته من بعده). (تفسیر قرطبی: ج٤ ص ٢٥٠)

''اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو اس لیے مشورہ کرنے کا حکم نہیں دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے مشورہ کی ضرورت تھی بلکہ اس میں حکمت تھی کہ انہیں مشاورت کی شان کا پتہ چل جائے نیز یہ کہ مشورہ سنتِ نبوی بن جائے اور امّت مسلمہ اس کی اقتداء اور اتباع کرے۔''

اس کی ایک اور وجہ بھی لکھی ہے۔ کہ (تطييبا لنفوسهم ورفعا لاقدارهم) ''صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں کو خوش کرنا اور ان کی قدر منزلت کو بڑھانا بھی مقصود تھا۔''

مشورہ کے ضروری ہونے سے اسلامی حکومت اور اس کے باشندوں پر جو ثمرات اور برکات حاصل ہوں گے اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ رسول اکرم ﷺ نے مشورہ کو رحمت سے تعبیر فرمایا۔ ابن عدی اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کو اس مشورہ کی حاجت نہیں لیکن اللہ تعالی نے اس کو میری امت کے لیے ایک رحمت بنایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالی چاہتا تو اپنے رسول ﷺ کو ہر کام بذریعہ وحی بتلا دیتا، کسی کام میں بھی مشورہ کی ضرورت نہ چھوڑتا لیکن امت کی مصلحت اس میں تھی کہ آپ ﷺ کے ذریعے مشورہ کی سنت جاری کرائی جائے۔ اس لیے بہت سے اُمور ایسے چھوڑ دیئے جن میں صراحۃً کوئی وحی نازل نہیں ہوئی ان میں آپ ﷺ کو مشورہ لینے کی ہدایت فرمائی گئی۔

مشورہ میں اختلاف رائے ہو جائے تو فیصلہ کی کیا صورت ہوگی؟

مسئلہ میں اگر اختلاف رائے ہو جائے تو کیا آج کل کے پارلیمانی اُصول پر اکثریت کا فیصلہ نافذ کرنے پر امیر مجبور ہوگا یا اس کو اختیار ہوگا کہ اکثریت ہو یا اقلیت جس طرف دلائل کی قوت اور مملکت کی مصلحت زیادہ نظر آئے اس کو اختیار کرے؟ قرآن وحدیث اور رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے تعامل سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اکثریت کے فیصلہ کا پابند و مجبور ہے بلکہ قرآن کریم کے بعض اشارات، حدیث اور تعامُلِ صحابہؓ کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اپنی صواب دید کے مطابق کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا ہے، خواہ اکثریت کے مطابق ہو یا اقلیت کے، البتہ امیر اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لیے جس طرح دوسرے دلائل پر نظر کرے گا اسی طرح اکثریت کا ایک چیز پر متفق ہونا بھی بعض اوقات اس کے لیے سببِ اطمینان بن سکتا ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں چند آیات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

مشورہ کے متعلق قرآن عزیز کی سب سے زیادہ مشہور آیت یہ ہے۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾.

''آپ معاملات میں صحابہ اور مسلمانوں سے مشورہ لیجئے اور جب پختہ ارادہ کریں تو اللہ تعالی پر توکل کیجئے۔''

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا گیا ہے کہ اہم معاملات میں (جن میں صریح وحی نہ آئی ہو) صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا کریں لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ مشورہ کے بعد جب آپ کسی ایک جانب کا عزم فرمائیں تو اس میں اللہ تعالی پر اعتماد کریں۔ اپنی رائے یا مشورہ پر بھروسہ نہ رکھیں۔

جس سے صاف معلوم ہوا کہ مشورہ کے بعد کسی ایک جانب کو ترجیح دینا اور اس کا عزم کرنا یہ فقط امیرِ مجلس کی رائے پر موقوف ہے۔ اور اگر مشورہ کا فیصلہ کثرت رائے کے سپرد ہوتا تو مناسب تھا کہ عزم کے لیے بھی جمع کا صیغہ استعمال کر کے یوں فرمایا جاتا (فاذا عزموا) (یعنی جب صحابہ کسی جانب کا عزم کریں)۔

الغرض آیت میں بجائے صیغہ جمع کے مفرد کا صیغہ استعمال کر کے اس بات کو بھی صاف کر دیا گیا ہے کہ مشورہ کے بعد فیصلہ کی صورت امیر مجلس کی رائے پر چھوڑی۔ امیر اپنی دیانت اور فہم سے جس رائے کو زیادہ صائب سمجھے اس کو نافذ کر دے۔

مشورہ کے متعلق دوسری آیت میں اس طرح ارشاد ہوا ہے۔

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾. [شوری ۲۵]

''یعنی مسلمانوں کے معاملات آپس کے مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔''

جس میں صحابہ کرامؓ اور سچے مسلمانوں کے اخلاق واعمال کا اجمالی نقشہ دکھلاتے ہوئے ان کے اس طرز عمل کی مدح کی گئی ہے کہ وہ اپنے معاملات میں خودرائی سے کام نہیں لیتے بلکہ مشورہ کر کے طے کرتے ہیں۔

اس میں اگرچہ مسئلہ زیر بحث یعنی درصورت اختلاف فیصلہ مشورہ کے متعلق صراحۃً کوئی حکم مذکور نہیں لیکن جن حضرات کے مشوروں کی اس آیت میں مدح فرمائی گئی ہے جب ہم ان کے تعامل پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا شائبہ اختلاف بھی ثابت ہوتا ہے مگر ان کی مجلس شوریٰ پر کثرت رائے کی حکومت نہ تھی۔

کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے مشاورات میں سے کسی ایک میں بھی آپ نہ دیکھیں گے کہ مشورہ کے بعد موجودہ طرز پر ووٹ لیے گئے ہوں اور آراء کو شمار کر کے ان کی کثرت پر فیصلہ کیا گیا ہو آیات قرآنیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال اور پھر تعامُلِ صحابہؓ کا درجہ ہے۔ جو درحقیقت آیات قرآنی ہی کی صحیح تفسیر اور واضح شرح ہے۔

[اسلام میں مشورہ کی اہمیت]

رسول اللہ ﷺ کے مشاورات اور فیصلہ کی صورت

غزوہ بدر مسلمانوں کی شاندار فتح پر ختم ہوا اور قریش کے بڑے بڑے ستر آدمی گرفتار ہو کر دربار نبوت میں حاضر کئے گئے تو یہ سوال پیش ہوا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے حسب عادت اس کے لیے مجلس

شوریٰ طلب کی اور صحابہ کو جمع کر کے مسئلہ زیر بحث فرمایا۔اتنی بات پر تمام روایات متفق ہیں کہ اس بارہ میں صحابہ کرامؓ کی جانب سے مختلف آراء پیش کی گئیں اور صدر الصدور وسید الاولین والآخرین نے ایک جانب کو ترجیح دے کر حکم نافذ فرمایا۔

روایات حدیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجلس شوریٰ ایک معتد جماعت پر مشتمل تھی جن میں سے حضرات ذیل کے اسماء گرامی خاص طور پر ذکر کیے گئے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ، حضرت سعد بن معاذؓ۔

ان حضرات میں سے صرف حضرت صدیق اکبرؓ کی یہ رائے تھی کہ ان سب کو چھوڑ دیا جائے۔باقی حضرات میں سے کسی نے ان کی تائید نہیں کی۔اس مجلس کے امیر رسول اللہ ﷺ نے مسئلہ زیر بحث کا فیصلہ کس طرح فرمایا اس کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی حدیث میں مذکور ہے۔

کہ رسول اللہ ﷺ صحابہؓ کی آراء مختلفہ سن کر گھر میں تشریف لے گئے اور کسی کو کچھ جواب نہیں دیا۔اور ہر صحابہؓ میں رائے زنی شروع ہوئی کوئی کہتا تھا کہ آپ صدیق اکبرؓ کی رائے کو اختیار فرمائیں گے اور کسی کا خیال تھا حضرت عمرؓ فاروق کی رائے قبول کی جائے گی ۔کچھ دیر کے بعد آپ باہر تشریف لائے اور ایک مختصر تقریر فرمائی (یہ تقریر حدیث عبداللہ بن مسعودؓ میں مفصل مذکور ہے) جس میں

فریقین کی دلجوئی کے الفاظ تھے اور پھر آپ نے آخری فیصلہ حضرت صدیق ؓ کی رائے پر فرمایا۔

[احمد، ترمذی و حسنہ الطبرانی والحاکم]

رسول اللہ ﷺ کے ان اشارات نے ہمارے زیر بحث مسئلہ کا بچند وجوہ قطعی فیصلہ فرما دیا ہے۔

(الف) شرکاء مجلس میں سے جن حضرات کی آرائیں روایات میں مذکور ہیں ان میں اکثریت بلکہ ایک رائے کے سوا تمام آراء اس طرف تھیں کہ ان قیدیوں سے انتقام لیا جائے اور قتل کر دیا جائے۔ صرف ایک صدیق اکبرؓ کی رائے تھی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس اکثریت کی کچھ پروانہ کی بلکہ قوت رائے پر اعتماد کرتے ہوئے حضرت صدیق ؓ کی رائے کو ترجیح دے دی۔

(ب) اور اگر اس سے بھی قطع نظر کی جائے تو فیصلہ کے متعلق جو الفاظ حضرت عمرؓ نے ذکر کئے ہیں وہ خود ہمارے لیے ایک مستقل وکیل ہیں۔ جن میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور فاروق ؓ کی رائے کو پسند نہیں فرمایا ان الفاظ سے خود ظاہر ہے کہ درصورت اختلاف مشورہ کا فیصلہ امیر مجلس کی رائے پر ہے۔ اس کے نزدیک قوت رائے کے اعتبار سے جو پسندیدہ ہو اس کو نافذ کرے خواہ اکثریت اس کے موافق ہو یا مخالف۔

(ج) عام صحابہ کرامؓ نے جو فیصلہ کے متعلق رائے زنی کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ان کے الفاظ بھی تقریباً حضرت عمر فاروق ؓ کے بیان کے ساتھ ملتے جلتے ہیں جن میں ابھی آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ کوئی کہتا تھا کہ آپ حضرت صدیق ؓ کی رائے کو قبول فرمائیں گے اور کسی کا خیال تھا کہ اس

بحث میں حضرت فاروقؓ کی رائے کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ کسی نے نہ کیا کہ مجلس کے موجود ارکان کو شمار کر کے کثرت رائے سے صورت فیصلہ کی تعیین کر لی یہ صریح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی مجالس مشورہ پر کثرت رائے کی حکومت نہ تھی ورنہ صحابہؓ کو اس رائے زنی کرنے کا کوئی موقع ہی نہ تھا کیونکہ صورت فیصلہ خود بخود متعین تھی۔ (اسلام میں مشورہ کی اہمیت)

ایک اور واقعہ

اسی غزوہ بدر میں جب رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کی مختصر جمعیت کے ساتھ محاذ جنگ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابوسفیان اپنے قافلہ کو لے کر نکل گیا ہے مگر قریش کا بڑا لشکر جو اس قافلہ کی امداد کے لیے مکہ سے آیا ہے ابھی اس میدان کے کنارے پڑا ہے تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اب جنگ کو شروع کیا جائے یا ملتوی کر دیا جائے اس مجلس شوری کی روداد حضرت انسؓ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

((إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ شَاوَرَ حَيْثُ بَلَغَهُ إِقْبَالُ أَبِيْ سُفْيَانَ، فَتَكَلَّمَ أَبُوْبَكْرٍ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ تَكَلَّمَ عُمَرُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ سَعْدُ ابْنُ عُبَادَةَ: إِيَّانَا تُرِيْدُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نُخِيْضَهَا الْبَحْرَ لَأَخَضْنَاهَا وَلَوْ أَمَرْتَنَا أَنْ نَضْرِبَ أَكْبَادَهَا إِلٰى بَرْكِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا)). [ابن ابی شیبة]

"جب رسول اللہ ﷺ کو ابوسفیان کے نکل جانے کی اطلاع

ملی تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا۔ اول صدیق اکبرؓ نے رائے پیش کی تو آپؐ نے ان سے رخ پھیرلیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنا خیال ظاہر کیا تو ان سے بھی اعراض کیا۔ پھر سعد ابن عبادہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ ہماری رائے دریافت کرنا چاہتے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر آپ یہ حکم فرمائیں کہ ہم اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیں تو ہم فوراً کود پڑیں گے اور اگر آپ یہ امر فرمائیں کہ مقام برک غماد تک گھوڑے دوڑائیں تو یقیناً ہم اطاعت کریں گے۔"

اس مجلس مشورہ کے طرز سے بھی قطعی طور پر معلوم ہوا کہ اسلامی مجلس شوریٰ موجودہ جمہوریت کی طرح کثرت رائے کی محکوم نہ تھی۔

تیسرا واقعہ

غزوہ احد میں جب کفار مکہ کا لشکر مدینۃ الرسول ﷺ کے قریب آ پہنچا تو آپ ﷺ نے صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ اس مشورہ میں بھی اختلاف رائے کی نوبت آئی۔ بعض حضرات کی رائے تھی کہ مسلمانوں کا لشکر شہر مدینہ سے باہر نہ نکلے بلکہ جب کفار شہر میں داخل ہونے لگیں تو گلی کوچوں میں متفرق طور پر مقاتلہ کیا جائے اور چھتوں کے اوپر سے عورتیں ان کی امداد کریں۔ خود رسول اللہ ﷺ کی بھی یہی رائے تھی اور بعض صحابہؓ اس کے خلاف تھے وہ کہتے تھے کہ ہمیں باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ یہ مختلف رائیں سن کر گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے اور ان لوگوں کی رائے

کے موافق تیاری شروع کی جو مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کا مشورہ دیتے تھے لیکن جب ادھر ان لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ پر اصرار کر کے آپ کو اپنی رائے کے خلاف پر مجبور کر دیا۔ یہ مناسب نہیں یہ سوچ کر ان سب کی رائے بدل گئی اور جب آپ باہر تشریف لائے تو متفقہ طور پر یہ عرض کیا کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی مقابلہ کیا جائے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا یَنْبَغِیْ لِنَبِیٍّ اِذَا لَبِسَ لِاُمَّتِهٖ اَنْ یَّضَعَهَا حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَهٗ وَبَیْنَ عَدُوِّهٖ)). [زاد المعاد: ج۳ ص ۱۹۳]

''کسی نبی کے لیے مناسب نہیں جب وہ اپنی زرہ پہن لے کہ اس کو پھر اتار دے جب تک اللہ تعالی اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ نہ فرمائے۔''

الغرض آپ نے اسی رائے کو نافذ فرمایا اور ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لے باہر تشریف لے گئے۔

اس واقعہ میں بھی چند وجوہ سے ہمارے مسئلہ زیر بحث پر روشنی پڑتی ہے:

۱:۔ اول اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فیصلہ ابتداءً فرمایا تھا اس میں کثرت وقلت کی کوئی گفتگو درمیان میں نہیں آئی۔ بلکہ جس رائے کو آپ نے نافذ فرمایا تھا اس کی ترجیح کی وجہ روایات کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتی ہیں کہ یہ جماعت فضلائے صحابہ پر مشتمل تھی اور ان کی قوت رائے باعث ترجیح ہوئی روایات کے الفاظ یہ ہیں:

(فَبَادَرَ جَمَاعَةٌ مِّنْ فُضَلَاءِ الصَّحَابَةِ مِمَّنْ فَاتَهٗ

الْخُرُوْجَ يَوْمَ بَدْرٍ اَشَارُوْا عَلَيْهِ بِالْخُرُوْجِ وَاَلَحُّوْا عَلَيْهِ فِي ذٰلِكَ). [زاد المعاد: ج۳ ص۱۹۳]

''ان فضلاء صحابہ کی ایک جماعت آگے بڑھی جن کو غزوہ بدر میں شرکت کا موقع نہیں مل سکا تھا تو انہوں نے یہی مشورہ دیا کہ آپ باہر نکل کر جنگ کریں اور اس رائے پر اصرار کیا۔''

۲:۔ دوسرا یہ کہ بعد میں جب ان حضرات کی رائے بدلی اور سب نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ شہر کے اندر ہی مقابلہ کیا جائے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے سب کے خلاف خروج ہی کے حکم کو نافذ فرمایا۔

یہ چند واقعات ہیں جن سے حضرت نبوت کی مجلس شوریٰ کے طرز عمل کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے اور بالجملہ رسول اللہ ﷺ کے مشوروں میں اہل شوریٰ کی رائیں شمار کرنے اور پھر کثرت پر فیصلہ کرنے کی ایک نظیر بھی پیش کی جا سکتی۔

اس کے بعد ہم خلفاء راشدین کی مجلس شوریٰ اور اس کے طرز عمل کو چند واقعات کے ذریعہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

خلفاء راشدینؓ کی مجالس شوریٰ

رسول اللہ ﷺ کے مشاروات اور ان کے طرز عمل اگرچہ قواعد اُصول کے مطابق تمام امت کے لیے اسوہ ہیں۔ اور جب تک تخصیص کی کوئی صریح دلیل معلوم نہ ہو اس وقت اس طرز عمل کو رسول اللہ ﷺ کی ذات کے ساتھ مخصوص کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

لیکن تاہم کسی کو یہ خیال گزر سکتا ہے کہ آپ تو بوجہ عہدہ نبوت خود مشورہ کے بھی محتاج نہیں تھے۔اور اسی وجہ سے تمام امت کے مقابلہ میں آپ کی تنہا رائے راجح ہوسکتی ہے،لیکن نبی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے لیے یہ اختیار ثابت نہیں ہوسکتا اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس کے بعد ہم خلفاء راشدین کا طرز عمل اور ان کی مجالسِ شوریٰ کا اجمالی نقشہ بھی ناظرین کے لیے پیش کردیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مجلس شوریٰ

فریضہ زکوۃ چھوڑنے والوں کے خلاف جہاد اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی آراء

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو مدینہ میں نفاق پھیل گیا اور عرب مرتد ہونے لگے اور ہر عجم میں بھی یہی سماں اثر کر گیا اور مرتد ہوکر مقابلہ کی دھمکیاں دینے لگے۔اور ان کی زبانوں پر یہ باتیں آ گئیں کہ یہ شخص جس کی وجہ سے مسلمان تمام اقوام پر بھاری تھے اور جس کی وجہ سے ہر جنگ میں ان کی مدد ہوتی تھی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) وفات پاگئے اور اب مسلمانوں کا مٹا دینا سہل ہوگیا ہے۔

خلیفہ وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھ کر مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور یہ تقریر فرمائی کہ:۔

آپ کو معلوم ہے کہ عرب نے زکوۃ ادا کرنی چھوڑ دی اور وہ اپنے دین سے مرتد ہوگئے۔اور ہر عجم نے تمہارے مقابلہ کے لیے نہاوند کو تیار کر رکھا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان جس شخص کی وجہ سے

ہمیشہ مظفر و منصور ہوتے تھے (یعنی رسول اللہ ﷺ) وہ آج انتقال کر گئے ہیں (اس وقت موقع ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹا دیا جائے) آپ مجھے مشورہ دیں کہ اس حالت میں کیا کرنا چاہئے کیونکہ میں بھی تمہیں میں سے ایک شخص ہوں اور مجھ پر بہ نسبت تمہارے اس مصیبت کا بوجھ زیادہ ہے۔

اعیان صحابہ مہاجرین وانصار کا مجمع ہے لیکن یہ واقعہ سن کر سب پر ایک سکتہ طاری ہے اور کوئی کچھ نہیں بولتا یہاں تک کہ ایک طویل سکوت کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تقریر شروع کی اور فرمایا:

اے خلیفہ رسول اللہ! بخدا میری رائے تو یہ ہے کہ آپ (وقت کی نزاکت کو سامنے رکھیں اس وقت عرب سے نماز ادا کرنے ہی کو غنیمت سمجھیں ۔اور فریضہ زکوۃ کے چھوڑنے پر مؤاخذہ نہ کریں۔ اس لیے کہ یہ لوگ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے ہیں اب تک اسلام ان کے دلوں میں رچا نہیں۔ پھر یا تو اللہ تعالی ان کو ہدایت کی طرف پھیر دے گا اور یہ اسلام کے تمام فرائض واحکام کو تسلیم کر کے سچے مسلمان ہو جائیں گے۔اور یا اللہ تعالی اسلام کو قوت دے دے گا تو ہم ان کے مقابلہ پر قادر ہو جائیں گے اس وقت مقابلہ کیا جائے گا لیکن اس وقت تو موجودہ مہاجرین وانصار میں بیک وقت تمام عرب وعجم سے مقابلہ کی سکت نہیں۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی رائے سننے کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی

طرف متوجہ ہوئے۔انہوں نے بھی حرف بحرف حضرت فاروق ؓ کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا۔پھر حضرت علی ؓ نے بھی اسی کی تائید کی۔ ان کے بعد تمام مہاجرین اسی رائے کی تائید میں یک زبان ہو گئے۔

یہ دیکھ کر حضرت صدیق ؓ انصار کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے بھی متفقہ طور پر یہی رائے دی کہ اس وقت ان سے مقاتلہ قرین مصلحت نہیں۔ یہ سن کر حضرت صدیق ؓ اکبر تقریر کے لیے منبر پر چڑھے۔

یہ افضل الناس بعد الانبیاء حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی مجلس شوری ایک واقعہ ہے جس میں شوری کے تمام ارکان بلا استثناء امیر کی رائے کے خلاف رائے پیش کرتے ہیں اب سنئے کہ یہ مسلمانوں کا سب سے پہلا امیر۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خلیفہ اس واقعہ میں کیا فیصلہ دیتا ہے تا کہ ہمارے مسئلہ زیر بحث کا فیصلہ صاف طور پر خلیفہ اول کے عمل سے ہو جائے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ فصاحت و بلاغت اور شوکت و جلالت کا ایک خاص نمونہ ہے:

''حمد و نعت کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وقت مبعوث فرمایا جب کہ دنیا میں حق نہایت قلیل اور گمنام تھا اور اسلام محض اجنبی اور غیر مقبول تھا اسی کی رسی بوسیدہ ہو چکی تھی اور اس کے اہل کم رہ گئے تھے پھر اللہ تعالی نے ان کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں جمع فرمایا اور انہیں قیامت تک باقی رہنے والی معتدل امت بنا دیا۔اللہ کی قسم میں برابر امر الہی پر قائم رہوں گا اور اللہ کے

راستہ میں جہاد کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالی اپنا وعدہ پورا فرما دیں۔ اور ہم میں جو قتل ہو وہ شہید ہو کر جنت میں جائے اور جو زندہ رہے وہ اللہ کی زمین میں اس کا خلیفہ اور اس کے بندوں کا وارث ہو کر رہے اس لئے کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے اور اس کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا کہ اللہ تعالی نے نیک عمل کرنے والے مسلمانوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔ اللہ کی قسم اگر وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کو زکوۃ دیتے تھے اس میں سے ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ان سے برابر جہاد کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میری روح اللہ تعالی سے جا ملے اگرچہ اس وقت ان کی امداد کے لیے دنیا کا ہر درخت، پتھر اور جن وانس میرے مقابلہ کے لیے جمع ہو جائیں کیونکہ اللہ تعالی نے نماز اور زکوۃ میں کوئی فرق نہیں فرمایا بلکہ دونوں کو ایک ہی سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے۔'' [کنز العمال: ج ۳ ص ۱۴۲]

حضرت صدیقؓ کے اس پرشوکت خطبہ نے مجمع کو محو حیرت بنا دیا تھا۔ تقریر ختم ہوتے ہی حضرت فاروقؓ نے زور سے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ جس کام کے لیے اللہ تعالی نے ابوبکرؓ کا شرح صدر فرمایا ہے میرا بھی اس پر شرح صدر ہو گیا۔

لیکن اس وقت بھی حضرت عمر فاروقؓ کی موافقت منقول ہے اور کسی کی تائید میری نظر سے نہیں گزری۔ بلکہ حضرت علیؓ کا بدستور اس کی مخالفت پر قائم

رہنا اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ۔

جب حضرت صدیقؓ اس جہاد پر عزم مصمم کر کے مدینہ سے چل کھڑے ہوئے۔اور مقام ذی القصہ تک پہنچ گئے تو حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی بھاگ تھام لی اور فرمایا کہ اے خلیفہ رسول اللہ! آپ کدھر جاتے ہیں۔آج میں بھی آپ سے وہی کہتا ہوں جو غزوہ احد میں آپ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا یعنی:

شُمَّ سَيْفَكَ وَلَاتُفَجِّعْنَا بِنَفْسِكَ فَوَاللّٰهِ لَئِنْ اَصَبْنَا بِكَ وَلَايَكُوْنُ لِلْاِسْلَامِ بَعْدَكَ نِظَامٌ اَبَدًا).

[کنزالعمال: ج ۳ ص ۱۴۳]

''اپنی تلوار کو میان میں کیجئے اور ہمیں اپنی ہستی سے محروم نہ کیجئے کیونکہ اللہ کی قسم اگر آپ کے قتل کی مصیبت ہم پر پڑ گئی تو پھر آپ کے بعد اسلام کا کبھی نظام درست نہ ہوگا۔''

حضرت علیؓ کے اس تقاضا واصرار پر خلیفہ اول خود تو واپس مدینہ میں تشریف لے آئے مگر اصل عزم کو نہیں چھوڑا۔

بلکہ حضرت سیف اللہ خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں ایک لشکر ان مرتدین کی طرف روانہ فرمادیا۔

اس واقعہ میں خلیفہ اول کے فیصلہ نے ہمارے مسئلہ زیر بحث کا نہایت وضاحت سے فیصلہ کردیا کہ اگر مشورہ میں اختلاف آراء کی نوبت آئے تو ان سب آراء مختلفہ کو سننے کے بعد امیر کی رائے جس جانب پر قائم ہوجائے بس وہی قابل انفاذ ہے۔ [اسلام میں مشورہ کی اہمیت ص ۱۶۵]

حضرت عمر فاروق ؓ

خلفاء راشدین میں سے حضرت عمرؓ کی انتظامی خصوصیت اور اس میں انتہائی قابلیت فقط اہل اسلام میں نہیں۔ بلکہ تمام دنیا کے قدیم وجدید سیاسی طبقوں میں بلا خلاف تسلیم کی جا چکی ہے۔ اور اسی لیے ہمارے مسلمانوں میں بھی جن حضرات کے نزدیک یورپین تمدن ومعاشرت ہی تمام خوبیوں کا معیار ہے اور روشن خیالی اسی کا نام ہے کہ اسلامی قباء کو کھینچ تان کر اس جسم نازیبا پر راست بنادیں اگرچہ اس کھینچا تانی سے خود قبا پھٹ جائے انہوں نے یورپ کی موجودہ جُمہوریت کو بھی جب اسلام کے سر تھوپنے کی ٹھانی تو اس کا ذمہ دار حضرت عمر ؓ کو ٹھہرایا۔

اس لیے عہد فاروقی کے چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں جن کے مجموعہ سے اس میں شبہ نہیں رہتا کہ خلافت فاروقی کے زمانہ میں بھی جن کہ سیاسی انتظامات کمال کو پہنچ چکے تھے خلیفہ وقت کثرت رائے کا محکوم نہ تھا بلکہ صحیح معنی میں حاکم تھا اور ہر مختلف فیہ مسئلہ میں آراء مختلفہ سننے کے بعد جس جانب کی ترجیح پر اس کا شرح صدر ہوتا تھا۔ وہی تمام ممالک کے لیے نافذ ہوتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ امیر کے شرح صدر کا سبب کبھی کثرت رائے ہی ہو جائے اور کبھی دوسری وجوہ۔

امام ابو جعفر طبری بحوالہ صحیح بخاری ومسلم نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کی طرف چلے اور مقام سُرغ (مدینہ طیبہ

سے تیرہ منزل کے فاصلے پر ایک گاؤں کا نام ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ گاؤں وادی تبوک میں واقع ہے) تک پہنچ گئے تو شام کے اسلامی حکام اور فوجی سردار آگے بڑھ کر یہاں آ ملے۔ اور خبر دی کہ آج کل شام میں وباء (طاعون) پھیلی ہوئی ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ خبر سن کر حضرت عمرؓ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مہاجرین اولین کو جمع کرو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب سب جمع ہو گئے تو وباء کی خبر سن کر ان سے مشورہ طلب کیا ان کے آپس میں اختلاف ہوا۔ بعض نے عرض کیا کہ آپ ایک اسلامی کام کے لیے نکلے ہیں اس لیے ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ آپ اس کو چھوڑ کر واپس ہو جائیں۔ اور بعض نے کہا کہ آپ کے ساتھ اللہ کی ایک عظیم مخلوق اور تمام صحابہ کرام کا جتھا ہے ہمارے نزدیک مناسب نہیں ہے کہ آپ ان سب کو وباء میں ڈال دیں۔ خلیفہ وقت نے یہ اختلاف رائے سن کر نہ دونوں کے عدد شمار کیے اور نہ کثرت وقلت کو دیکھا بلکہ سب کو رخصت کر دیا اور پھر حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ انصار کو جمع کرو جب وہ جمع ہو گئے تو ان سے بھی یہی مشورہ طلب کیا ان میں بعینہ یہی اختلاف رائے پیش آیا۔ حضرت عمرؓ فاروق نے ان کو بھی رخصت کر دیا۔

اور پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب ان سن رسیدہ قریشی مہاجرین کو جمع کرو جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی تھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو جمع کیا۔ ان سب نے یہ معاملہ سن کر یک زبان ہو کر کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ واپس لوٹ جائیں اور اس تمام خلق اللہ کو

وباء کی آگ میں نہ ڈالیں۔

حضرت عمرؓ فاروق نے یہ سن کر لشکر میں اعلان فرمادیا کہ ہم علی الصبح یہاں سے مدینہ کو واپس ہو جائیں گے۔

صوبہ شام کے امیر حضرت ابو عبیدہؓ نے عرض کیا کہ آپ تقدیر خداوندی سے بھاگتے ہیں۔ عمرؓ فاروق چونکہ ان کی بہت قدر کرتے اور ان کے خلاف کو پسند نہ کرتے تھے۔

اس لیے فرمایا کہ اگر تمہارے سوا کوئی اور ایسا کہتا تو بعید نہ تھا (لیکن تم جیسے فہیم آدمی سے ایسا اعتراض بعید ہے) سن لو کہ بے شک ہم تقدیر خداوندی سے تقدیر خداوندی ہی کی طرف بھاگتے ہیں (مطلب یہ تھا کہ خلق اللہ کو ہلاکت اور مضرت کی جگہوں سے بچانا بھی حکم خداوندی ہی ہے لہذا ہم ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں اس میں کیا مضائقہ ہے؟)

اور پھر فرمایا کہ اگر آپ کسی جنگل میں اپنے اونٹ چرانے کے لیے لے جائیں اور ایسی جگہ میں جا کر اتریں جس کے دو حصے ہوں ایک قحط زدہ اور خراب اور دوسرے میں سبزہ لہلہا تا ہو تو کیا یہ بات صحیح نہیں کہ اگر آپ خراب حصہ میں چرائیں گے وہ بھی تقدیر خداوندی سے چرائیں گے اور اگر اچھے سبزہ زار میں چرائیں گے تو وہ بھی تقدیر الٰہی سے ہوگا۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کہیں باہر تشریف لے گئے تھے۔ اتفاقاً اس وقت پہنچ گئے اور واقعات سن کر فرمانے لگے کہ مجھے اس کا شرعی حکم معلوم ہے کیونکہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ

((إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ)).

''جب سنو کہ کسی شہر میں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر جس جگہ تم پہلے سے موجود ہو وہاں آجائے تو وہاں سے نہ نکلو۔''

حضرت عمرؓ فاروق نے یہ سن کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور حسب ارادہ واپس ہو گئے اس واقعہ نے صاف طور پر بتلا دیا کہ مشورہ کا فیصلہ اسلامی خلافت میں کثرت رائے کے حوالہ نہ تھا۔ بلکہ مشورہ کی غرض محض یہ ہوتی تھی کہ لوگوں کی رائیں سن کر مسئلہ کے تمام پہلو روشنی میں آجائیں اور پھر جس چیز پر امیر کا شرح صدر ہو وہ عمل میں لایا جائے۔ [اسلام میں مشورہ کی اہمیت ص ۱۷۱]

یہ چند واقعات ہیں رسول اللہ ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی مجالس مشورت کے جن کے دیکھنے کے بعد ایک مسلمان کو اس میں تردد نہیں رہ سکتا کہ اسلامی مشورہ کا فیصلہ کثرت رائے کا محکوم نہیں ہوتا۔

موجودہ جُمہوریت اور اس کا تعارُف

زمانہ قدیم میں بادشاہتیں جاری تھیں۔ ولی عہدی کے اُصول پر بادشاہت ملتی تھی۔ عرب و عجم میں بادشاہ تھے ان میں ظالم بھی تھے، رحم دل بھی تھے اور انصاف پسند بھی۔ لیکن بادشاہت کی تاریخ میں زیادہ تر مظالم ہی ملتے ہیں۔ ان مظالم سے تنگ آکر یورپ والوں نے جُمہوریت کا طرز حکومت جاری کیا اور اس کا نام عوامی حکومت رکھا، اس کے جو طریق کار ہیں انہیں عام طور سے سبھی جانتے ہیں۔ اس جُمہوریت کا خلاصہ عوام کو دھوکہ دینا اور کسی ایک پارٹی کے

چند افراد کے ملک پر مسلط ہونے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عُنوان یہ ہے کہ اکثریت کی رائے انتخاب میں معتبر ہوگی۔ اور انتخاب بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوگا اس میں امیدوار کے لیے عالم ہونا دین دار ہونا بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں۔ پڑھے لکھے اور بالکل جاہل چپٹ مرد عورت امیدوار ہی کھڑے ہوجاتے ہیں۔ بعض پارٹی کے نمائندے ہوتے ہیں اور بعض آزاد ہوتے ہیں۔ ان میں بعض وہ بھی ہوتے ہیں جو اسلام کے خلاف بولتے رہتے ہیں۔ اسلام کے نظامِ حُدود وقِصاص کو ظالمانہ کہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے حدودِ کفر میں داخل ہوجاتے ہیں۔ اور انتخاب میں پارٹیوں کے زور پر اور سرداروں کے زور پر اور پیسوں کے زور پر ووٹ دینے والے بھی عموماً وہی لوگ ہوتے ہیں جو دین اسلام کے تقاضوں کو نہیں جانتے لہذا ان پڑھ اور ملحد اور زِندِیق بھی منتخب ہوکر پارلیمنٹ میں آجاتے ہیں۔ جس شخص کو زیادہ ووٹ مل گئے وہی ممبر منتخب ہوجاتا ہے۔ اگر کسی سیٹ پر گیارہ آدمی کھڑے ہوں تو ان میں سے اگر دس آدمیوں کو ۱۵۔۱۵ ووٹ ملیں اور ایک شخص کو سولہ ووٹ مل جائیں تو یہ شخص سب کے مقابلہ میں کامیاب مانا جائے گا۔ اور کہا یہ جائے گا کہ اکثریت سے منتخب ہوا۔ حالانکہ اکثریت اس شخص کے مخالف ہے ڈیڑھ سو افراد نے اپنے ووٹ نہیں دیئے ڈیڑھ سو کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں۔ یہ جمہوریت ہے جس میں ۱۵۰ آدمیوں کی رائے کا خون کیا گیا اور سولہ افراد کی رائے کو مانا گیا پھر پارلیمنٹ میں جس پارٹی کے افراد زیادہ ہوجائیں اسی کی حکومت بن جاتی ہے اور وہ افراد اسی طریقہ پر پارلیمنٹ میں آئے ہیں جو ابھی ذکر ہوا اس طرح سے تھوڑے سے افراد کی پورے ملک پر

حکومت ہو جاتی ہے اور پارٹی کے چند افراد اختیار سنبھال لیتے ہیں اور سیاہ وسفید کے مالک بن جاتے ہیں۔ خود پارٹی کے جو افراد کسی بات سے متفق نہ ہوں انہیں پارلیمنٹ میں پارٹی ہی کے موافق بولنا پڑتا ہے اپنی ذاتی رائے کا خون کر دیتے ہیں یہ جُمہوریت اور اکثریت کی حقیقت ہے۔

پھر اللہ کی پناہ مرکزی حکومت کے صدر اور وزیر اعظم اور دوسرے وزراء کے بے تکے اخراجات، بنگلے اور ان کی سجاوٹیں، گاڑیاں، ڈرائیور، پٹرول کا خرچ، باورچی، مالی، اور دوسرے خادموں کی تنخواہیں اور وزیروں کی بے جا کھپت پارٹی کے آدمی ہونے کی بنیاد پر خواہ مخواہ عہدے نکالنا۔ اور حد یہ ہے کہ وزیر بے قلمدان بنانا اور کثیر تعداد میں مشیروں کو کھپانا ان سب کا بوجھ قوم کی گردن پر ہوتا ہے۔ پھر ہر صوبہ کا گورنر، وزیر اعلیٰ، دوسرے وزراء، نائب وزراء اور مشیران، ان سب کے اخراجات سے ملک کا خزانہ خالی ہو جاتا ہے۔ اور ملک چلانے کے لیے سودی قرضے لیتے ہیں۔ اور قوم پر ٹیکس لگاتے ہیں۔ انکم ٹیکس، برآمدی ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی یہ سب مصیبت قوم پر سوار ہوتی ہے۔ اور عوام کو دھوکہ دے رکھا ہے کہ تمہاری حکومت ہے، عوام ان پارٹی بازوں اور سیاسی بازی گروں کی باتوں میں آ جاتے ہیں اور سیدھا سادھا اسلامی نظام جس میں ایک امیر مرکزی حکومت میں ہو جس کا معمولی سا وظیفہ ہو اور علاقوں میں چند امیر ہوں اور یہ سب لوگ سادگی کے ساتھ رہیں۔ بقدر ضرورت واجبہ ان کو وظیفہ مل جائے۔ معمولی سے گھر میں رہیں۔ اگر کسی کا اپنا گھر ہے تو اسی میں قیام پذیر ہوں اس نظام کو ماننے کے لیے لوگ تیار نہیں۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ .ط

کہا جاتا ہے کہ اسلام میں جُمہوریت ہے اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ اسلام میں شوری کی بھی کوئی حیثیت ہے تو یہ بات ٹھیک ہے مگر اس کی حیثیت وہی ہے جو اوپر ذکر کردی گئی ، ایسی جُمہوریت جس میں پورے ملک میں انتخاب ہو۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ہر کس و ناکس ووٹر ہو اور کثرت رائے پر فیصلہ رکھا جائے اسلام میں ایسی جمہوریت نہیں ہے۔ بعض اہل علم بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں وہ اسلام کی بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم بڑی محنتوں سے جُمہوریت کو لائے ہیں اب اس کے خلاف کیسے بولیں۔ اور ان کی لائی ہوئی جُمہوریت بالکل جاہلانہ جُمہوریت ہوتی ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، انتخاب میں کوئی بھی کیسا ہی بے دین منتخب ہو جائے جمہوریت جاہلیہ کی وجہ سے اس کے عہدہ کو ماننے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اب کیا کریں اب تو منتخب ہو ہی گیا عوام کی رائے کو کیسے ٹھکرائیں ان لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ حکومت عوام کی سمجھتے ہیں حالانکہ حاکم اللہ تعالی جل شانہ ہے عوام اللہ کے قانون کے تابع ہیں اس کے خلاف چلنے، بولنے کی کوشش کرنے کی کوئی اجازت نہیں۔

آیت مذکورہ میں غور فرمایئے، اس میں رسول کریم ﷺ کو مشورہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا گیا:

﴿ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾.

’’مشورہ کے بعد آپ جس کسی جانب کو طے کر کے عزم کرلیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کیجئے۔‘‘

اس میں عَـزَمْــتَ کے لفظ میں عزم یعنی نفاذِ حکم کا پختہ ارادہ صرف رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا، عَـزَمْتُـمْ نہیں فرمایا جس سے عزم وتنفیذ میں صحابہؓ کی شرکت معلوم ہوتی۔ اس کے اشارہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مشورہ لینے کے بعد نفاذ اور عزم صرف امیر کا معتبر ہے حضرت عمر بن خطاب بعض اوقات دلائل کے لحاظ سے اگر عبداللہ بن عباسؓ کی رائے زیادہ مضبوط ہوتی تو ان کی رائے پر فیصلہ نافذ فرماتے حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہ موجود ہوتے جو ابن عباسؓ سے عمر اور علم اور تعداد میں زیادہ ہوتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے بہت مرتبہ حضرات شیخین صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی رائے کو جُمہور صحابہ کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے حتی کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ آیت مذکورہ صرف ان دونوں حضرات سے مشورہ لینے کے لیے نازل ہوئی۔ امام حاکم نے مستدرک حاکم میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

(عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ رضی اللہ عنہما)۔ (ابن کثیر: ۱۴۳/۲)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں شَــاوِرْهُــمْ کی ضمیر سے مراد حضرات شیخین ہیں۔''

کلبی کی روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے:

(عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَزَلَتْ فِيْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَكَانَا حَوَارِيَّيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَوَزِيْرَيْهِ وَاَبَوَيِ الْمُسْلِمِيْنَ).

(ابن کثیر)

”ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ لینے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ دونوں حضرات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابی اور وزیر تھے اور مسلمانوں کے مربی تھے۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرات شیخین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((لَوِاجْتَمَعْتُمَا فِيْ مَشُوْرَةٍ مَا خَالَفْتُكُمَا)).

(ابن کثیر)

”جب تم دونوں کسی رائے پر متفق ہو جاؤ تو میں تم دونوں کے خلاف نہیں کرتا۔“

ایک اِشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال پیدا کیا جا سکتا ہے کہ یہ تو جمہوریت کے منافی ہے اور شخصی حکومت کا طرز ہے اور اس سے جُمہور کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

جواب یہ ہے کہ اسلامی آئین نے اس کی رعایت پہلے کر لی ہے کیونکہ عوام کو یہ اختیار ہی نہیں دیا کہ جس کو چاہیں امیر بنا دیں بلکہ ان پر لازم قرار دیا ہے کہ علم و عمل، صلاحیت کار، خدا ترسی اور دیانت کی رو سے جس شخص کو سب سے بہتر سمجھیں صرف اسی کو امیر منتخب کریں تو جس شخص کو ان اعلیٰ اوصاف اور اعلیٰ صفات کے تحت منتخب کیا گیا ہو اس پر ایسی پابندیاں عائد کرنا جو بد دیانت اور فُساق، فُجّار پر عائد کی جاتی ہیں، عقل و انصاف کا خون کرنا اور کام کرنے والوں کی ہمت شکنی اور ملک و ملت کے کام میں رکاوٹ ڈالنے کے مرادف ہوگا۔

صحابہ کرام کی صفت

سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی چند صفات بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾.

''ان کے کام آپس میں مشورہ سے طے ہوتے ہیں۔''

شُوْرٰی بروزن بُشْرٰی مصدر ہے تقدیر عبارت ذُوْ شُوْرٰی ہے مراد یہ ہے کہ مہمات اُمور جن میں شریعت نے کوئی خاص حکم متعین نہیں کر دیا ہے ان کو طے کرنے میں یہ باہمی مشورہ سے کام لیتے ہیں۔ مہمات اُمور کی قید خود لفظ اَمْـر سے مستفاد ہے کیونکہ عرف میں امر ایسے ہی کاموں کے لیے بولا جاتا ہے جن کی اہمیت ہو۔ جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ کے تحت تفصیل گذر چکی ہے اس میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ مہمات امور میں امور مملکت اور حکومت بھی داخل ہیں اور عام معاملات مہمہ بھی۔ امام ابن کثیر نے فرمایا کہ مہمات مملکت میں مشورہ لینا واجب ہے۔ اسلام میں امیر کا انتخاب بھی مشورہ پر موقوف کر کے زمانہ جاہلیت کی شخصی بادشاہتوں کو ختم کیا ہے، جنہیں ریاست بطور وراثت کے ملتی تھی۔ اسلام نے سب سے پہلے اس کو ختم کر کے حقیقی جُمہوریت کی بنیاد ڈالی۔ مگر مغربی جُمہوریت کی طرح عوام کو ہر طرح کے اختیارات نہیں دیئے اہل شوریٰ پر کچھ پابندیاں عائد فرمائی ہیں اس طرح اسلام کا نظامِ حکومت شخصی بادشاہت اور مغربی جمہوریت دونوں سے الگ ایک نہایت معتدل دُستور ہے۔

ابوبکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ

''اس آیت سے مشورہ کی اہمیت واضح ہوگئی اور یہ کہ ہم اس پر مامور ہیں کہ ایسے مشورہ طلب اہم کاموں میں جلد بازی اور خودرائی سے کام نہ کریں۔ اہل عقل وبصیرت سے مشورہ لے کر قدم اٹھائیں۔''

(معارف القرآن: ج ۷ ص ۷۰۶)

حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام بڑے بڑے اُمور میں بغیر آپس کی مشاورت کے ہاتھ نہ ڈالتے خود رسول اللہ رحمہ اللہ کو حکم خدا ہوتا ہے کہ ﴿شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ ''یعنی ان سے مشورہ کرلیا کرو'' اسی لئے رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جہاد وغیرہ کے موقع پر لوگوں سے مشورہ کرلیا کرتے تاکہ ان کے جی خوش ہوجائیں اور اسی بناپر امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے جب کہ آپ کو زخمی کردیا گیا اور وفات کا وقت آ گیا چھ آدمی مقرر کردیئے کہ یہ اپنے مشورے سے کسی کو میرا جانشین مقرر کردیں ان چھ بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ تو سب نے باتفاق رائے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر مقرر کرلیا۔

[ابن کثیر: ۶/۲۰۸]

مُشوُرَہ کی اہمیت اور اس کا طریقہ

خطیب بغدادی نے حضرت علیؓ مرتضیٰ سے روایت کیا ہے کہ:۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے بعد

اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس میں قرآن نے کوئی فیصلہ نہیں کیا اور آپ ﷺ سے بھی اس کا کوئی حکم ہمیں نہیں ملا تو ہم کیسے عمل کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اجمعوا اله العابدين من امتي واجعلوه بينكم شورى ولا تقضوا برأي واحد)).

(روح المعاني بحواله خطيب)

''اس کے لئے میری امت کے عبادت گزاروں کو جمع کرلو اور آپس میں مشورہ کر کے طے کرلو۔ کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔''

اس روایت کے بعض الفاظ میں فقہاء وعابدین کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مشورہ ان لوگوں سے لینا چاہیے جو فقہاء یعنی دین کی سمجھ بوجھ رکھنے والے اور عبادت گزار ہوں۔

صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ جو مشورہ اس طریق پر نہیں بلکہ بے علم بے دین لوگوں میں دائر ہو اس کا فساد اس کی صلاح پر غالب رہے گا۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:۔

جس شخص نے کسی کام کا ارادہ کیا اور اس میں مشورہ لے کر عمل کیا تو اللہ تعالی اس کو ارشد امور کی طرف ہدایت فرمادے گا یعنی اس کا رخ اسی طرف پھیر دے گا جو اس کے لیے انجام کار خیر اور بہتر ہو۔''

اسی طرح کی ایک حدیث امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں اور عبد بن حمید نے مسند میں حضرت حسنؓ سے بھی نقل کی ہے جس میں آپ نے آیت

مذکورہ پڑھ کر یہ فرمایا ہے:

((ماتشاور قوم قط الا ھدوا لارشدامرھم)).

"جب کوئی قوم مشورہ سے کام کرتی ہے تو ضرور ان کو صحیح راستہ کی طرف ہدایت کردی جاتی ہے۔"

سورہ شوریٰ کی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم لکھتے ہیں:

اس چیز کو یہاں اہل ایمان کی بہترین صفات میں شمار کیا گیا ہے اور سورہ آل عمران (آیت ۱۵۹) میں اس کا حکم دیا گیا ہے اس بنا پر مشاورت اسلامی طرز زندگی کا یک اہم ستون ہے اور مشورے کے بغیر اجتماعی کام چلانا نہ صرف جاہلیت کا طریقہ ہے بلکہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے ضابطے کی صریح خلاف ہے۔مشاورت کو اسلام میں یہ اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ اس کے وجوہ پر اگر غور کیا جائے تو تین باتیں واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ جس معاملے کا تعلق دو یا زائد آدمیوں کے مفاد سے ہو اس میں کسی ایک شخص کا اپنی رائے سے فیصلہ کر ڈالنا اور دوسرے متعلق اشخاص کو نظر انداز کردینا زیادتی ہے مشترک معاملات میں کسی کو اپنی من مانی چلانے کا حق نہیں ہے۔انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک معاملہ جتنے لوگوں کے مفاد سے تعلق رکھتا ہو اس میں سب کی رائے لی جائے اور اگر وہ کسی بہت بڑی تعداد سے متعلق ہو تو ان کے معتمد علیہ نمائندوں کو شریکِ مشورہ کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ انسان مشترک معاملات میں اپنی من مانی چلانے کی کوشش یا تو اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی اَغراض کے لیے دوسروں کا حق مارنا چاہتا ہے یا پھر اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑی چیز اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اَخلاقی حیثیت سے یہ دونوں صفات یکساں قبیح ہیں اور مومن کے اندر ان میں سے کسی صفت کا شائبہ بھی نہیں پایا جاسکتا۔ مومن نہ خودغرض ہوتا کہ کہ دوسروں کے حُقوق پر دست درازی کرکے خود ناجائز فائدہ اٹھانا چاہے اور نہ وہ متکبر اور خود پسند ہوتا ہے کہ اپنے آپ ہی کو عقل کُل اور علیم وخبیر سمجھے۔

تیسرے یہ کہ جن معاملات کا تعلق دوسروں کے حُقوق اور مفاد سے ہو ان میں فیصلہ کرنا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے کوئی شخص جو خدا سے ڈرتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اس کی کتنی سخت جواب دہی اسے اپنے رب کے سامنے کرنی پڑے گی کبھی اس بھاری بوجھ کو تنہا اپنے سر لینے کی جُرأت نہیں کرسکتا۔ اس طرح کی جُرأتیں صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو خدا سے بے خوف اور آخرت سے بے فکر ہوتے ہیں۔ خدا ترس اور آخرت کی باز پرس کا احساس رکھنے والا آدمی تو لازماً یہ کوشش کرے گا کہ ایک مشترک معاملہ جن جن سے بھی متعلق ہو ان سب کو یا اُن کے بھروسے کے نمائندوں کو اس کا فیصلہ کرنے میں شریکِ مشورہ کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ صحیح اور بے لاگ اور مبنی بر انصاف فیصلہ کیا جاسکے۔ اور اگر نادانستہ کوئی غلطی ہو بھی جائے تو تنہا کسی ایک ہی شخص پر اس کی ذمہ داری نہ آپڑے۔

یہ تین وجوہ ایسے ہیں جن پر اگر غور کرے تو اس کی سمجھ میں یہ بات

اچھی طرح آسکتی ہے کہ اسلام جس اُخلاق کی انسان کو تعلیم دیتا ہے مشورہ اس کالازمی تقاضا ہے اور اس سے انحراف ایک بہت بڑی بداُخلاقی ہے جس کی اسلام کبھی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلامی طرز زندگی یہ چاہتا ہے کہ مُشاوَرت کا اُصول ہر چھوٹے، بڑے اجتماعی معاملے میں برتا جائے گھر کے معاملات ہوں تو ان میں میاں اور بیوی باہم مشورے سے کام کریں۔ اور بچے جب جوان ہو جائیں تو انہیں بھی شریک مشورہ کیا جائے۔ خاندان کے معاملات ہوں تو ان میں کنبے کے سب عاقل وبالغ افراد کی رائے لی جائے۔ ایک قبیلے یا برادری یا بستی کے معاملات ہوں اور سب لوگوں کا شریک مشورہ ہونا ممکن نہ ہو تو ان کا فیصلہ کوئی ایسی پنچائیت یا مجلس کرے جس میں کسی متفق علیہ طریقے کے مطابق تمام متعلق لوگوں کے معتمد علیہ نمائندے شریک ہوں۔ ایک پوری قوم کے معاملات ہوں تو ان کے چلانے کے لیے قوم کا سربراہ سب کی مرضی سے مقرر کیا جائے اور وہ قومی معاملات کو ایسے صاحب رائے لوگوں کے مشورے سے چلائے جن کو قوم قابل اعتماد سمجھتی ہو اور وہ اسی وقت تک سربراہ رہے جب تک قوم خود اسے اپنا سربراہ بنائے رکھنا چاہے کوئی ایماندار آدمی زبردستی قوم کا سربراہ بننے اور بنے رہنے کی خواہش یا کوشش نہیں کرسکتا نہ یہ فریب کاری کرسکتا ہے کہ پہلے بزور قوم کے سر پر مسلط ہو جائے اور پھر جبر کے تحت لوگوں کی رضامندی طلب کرے اور نہ اس طرح کی چالیں چل سکتا ہے کہ اس کو مشورہ دینے کے لئے لوگ اپنی آزاد مرضی سے اپنی پسند کے نمائندے نہیں بلکہ وہ نمائندے منتخب کریں جو اس کی مرضی کے مطابق رائے دینے والے ہوں۔ ایسی ہر خواہش

صرف اس نفس میں پیدا ہوتی ہے جو نیت کی خرابی سے ملوث ہو۔ اور اس خواہش کے ساتھ ﴿ اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ﴾ کی ظاہری شکل بنانے اور اس کی حقیقت غائب کر دینے کی کوششیں صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو خدا اور خَلق دونوں کو دھوکہ دینے میں کوئی باک نہ ہو حالانکہ نہ خدا دھوکہ کھا سکتا ہے اور نہ خلق ہی اتنی اندھی ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص دن کی روشنی میں اعلانیہ ڈاکہ مار رہا ہو اور وہ سچے دل سے یہ سمجھتی رہے کہ وہ ڈاکہ نہیں مار رہا ہے بلکہ لوگوں کی خدمت کر رہا ہے۔

﴿وَاَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ﴾ کا قاعدہ خود اپنی نوعیت اور فطرت کے لحاظ سے پانچ باتوں کا تقاضا کرتا ہے:

اول یہ کہ اجتماعی معاملات جن لوگوں کے حُقوق اور مفاد سے تعلق رکھتے ہیں انہیں اظہار رائے کی پوری آزادی حاصل ہو اور وہ اس بات سے پوری طرح باخبر رکھے جائیں کہ ان کے معاملات فی الواقع کس طرح چلائے جا رہے ہیں اور انہیں اس امر کا بھی پورا حق حاصل ہو کہ اگر وہ اپنے معاملات کی سربراہی میں کوئی غلطی یا خامی یا کوتاہی دیکھیں تو اس پر ٹوک سکیں، احتجاج کر سکیں اور اصلاح ہوتی نہ دیکھیں تو سربراہ کاروں کو بدل سکیں۔ لوگوں کا منہ بند کر کے اور ان کے ہاتھ پاؤں کس کر اور ان کو بے خبر رکھ کر ان کے اجتماعی معاملات چلانا صریح بد دیانتی ہے جسے کوئی شخص بھی ﴿اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ ﴾ کے اُصول کی پیروی نہیں مان سکتا۔

دوم یہ کہ اجتماعی معاملات کو چلانے کی ذمہ داری جس شخص پر بھی ڈالنی ہو اسے لوگوں کی رضا مندی سے مقرر کیا جائے یہ رضا مندی ان کی آزادانہ رضا

مندی ہو جبر اور تخوِیف سے حاصل کی ہوئی یا تحرِیص و اطماع سے خریدی ہوئی یا دھوکے اور فریب اور مکاریوں سے کھسوٹی ہوئی رضامندی درحقیقت رضامندی نہیں ہے ایک قوم کا صحیح سربراہ وہ نہیں ہوتا جو ہر ممکن طریقہ سے کوشش کر کے اس کا سربراہ بنے بلکہ وہ ہوتا ہے جس کو لوگ اپنی خوشی اور پسند سے اپنا سربراہ بنائیں۔

سوم یہ کہ سربراہ کو مشورہ دینے کے لیے بھی وہ لوگ مقرر کیے جائیں جن کو قوم کا اعتماد حاصل ہو اور ظاہر بات ہے کہ ایسے لوگ کبھی صحیح معنوں میں حقیقی اعتماد کے حامل قرار نہیں دیئے جاسکتے جو دباؤ ڈال کر یا مال سے خرید کر یا جھوٹ اور مکر سے کام لے کر یا لوگوں کو گمراہ کر کے نمائندگی کا مقام حاصل کریں۔

چہارم یہ کہ مشورہ دینے والے اپنے علم اور ایمان وضمیر کے مطابق رائے دیں اور اس طرح کے اظہار رائے کی انہیں پوری آزادی حاصل ہو۔ یہ بات جہاں نہ ہو جہاں مشورہ دینے والے کسی لالچ یا خوف کی بنا پر یا کسی جتھہ بندی میں کسے ہوئے ہونے کی وجہ سے خود اپنے علم اور ضمیر کے خلاف رائے دیں وہاں درحقیقت خیانت اور غداری ہوگی نہ کہ ﴿أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ کی پیروی۔

پنجم یہ کہ جو مشورہ اہل شوری کے اِجماع (اتفاق رائے) سے دیا جائے یا جسے ان کے جُمہور (اکثریت) کی تائید حاصل ہو اسے تسلیم کیا جائے کیونکہ اگر ایک شخص یا ایک ٹولہ سب کی سننے کے بعد اپنی من مانی کرنے کا مختار

ہوتو مشاورت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرمارہا کہ "ان کے معاملات میں ان سے مشورہ لیا جاتا ہے" بلکہ یہ فرمارہا ہے کہ "ان کے معاملات آپس کے مشورے سے چلتے ہیں"۔ اس ارشاد کی تعمیل محض مشورہ لے لینے سے نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ مشاورت میں اجماع یا اکثریت کے ساتھ جو بات طے ہو اسی کے مطابق معاملات چلیں۔

اسلام کے اُصولِ شوریٰ کی اس توضیح کے ساتھ یہ بنیادی بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ یہ شوریٰ مسلمانوں کے معاملات کو چلانے میں مطلق العنان اور مختار کل نہیں ہے بلکہ لازماً اس دین کے حدود سے محدود ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تشریع سے مقرر فرمایا ہے اور اس اصل الاصول کی پابند ہے کہ "تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے" اور "تمہارے درمیان جو نزاع بھی ہو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو" اس قاعدہ کلیہ کے لحاظ سے مسلمان شرعی معاملات میں اس امر پر تو مشورہ کر سکتے ہیں کہ کسی نص کا صحیح مفہوم کیا ہے اور اس پر عملدرآمد کس طریقہ سے کیا جائے تاکہ اس کا منشا ٹھیک طور سے پورا ہو لیکن اس غرض سے کوئی مشورہ نہیں کر سکتے کہ جس معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول نے کر دیا ہو اس میں وہ خود کوئی آزادانہ فیصلہ کریں۔ (تفہیم القرآن: ج ۴۔ ص ۵۱۰)

ہر کام میں مکمل تدبیر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پر توکُّل کرنا

اس جگہ یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ نظامِ حکومت اور دوسرے اہم امور میں تدبیر اور مشورہ کے احکام کے بعد یہ ہدایت دی گئی ہو کہ سب

تدبیریں کرنے کے بعد بھی جب کام کرنے کا عزم کرو تو اپنی عقل ورائے اور تدبیروں پر بھروسہ نہ کرو بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرو کیونکہ یہ سب تدبیر ،مُدَبِّر الامور کے قبضہ قدرت میں ہیں انسان کیا اور اس کی رائے وتدبیر کیا۔ ہر انسان اپنی عمر کے ہزاروں واقعات میں ان چیزوں کی رسوائی کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے مولانا رومی نے خوب فرمایا ہے ؎

خویش را دیدیم در رسوائی خویش

امتحان ما مکن اے شاہِ بیش

استخارہ

استخارہ کے معنی لغت میں طلب خیر کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس دعا کو کہتے ہیں جو کسی معاملہ کے مفید یا مضر ہونے میں تردد پیدا ہو جانے کی صورت میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں کی جاتی ہے تاکہ تردد زائل ہو کر ایسی جانب متعین ہو جائے جس میں فائدہ ہو اور نماز استخارہ وہ نفل نماز ہے جو اس دعا سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔

استخارہ درحقیقت مشورہ ہی کی ایک خاص نوع ہے کیونکہ جس طرح مشورہ اپنے ابنائے جنس اور اقران و امثال سے اس لئے کیا جاتا ہے۔ کہ تردد زائل ہو کر ایک جانب متعین ہو جائے اسی طرح استخارہ گویا کہ جناب علیم وخبیر سے مشورہ ہے تاکہ معاملہ کی جانب حق تعالیٰ کے علم میں بہتر ہو اور خیر ہو وہ ہی متعین ہو جائے۔

کیونکہ انسان کتنا ہی عاقل وزیرک اور تجربہ کار ہو۔ بہت مرتبہ رائے میں غلطی کرتا ہے اور مفید کو مضر یا مضر کو مفید، دوا کو مرض اور مرض کو دوا سمجھ بیٹھتا ہے۔ اسی مضمون کو قرآن عزیز میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

﴿عَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾.

”عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو برا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور یہ بھی عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو اچھا جانو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہو۔“

اسلامی تعلیمات کے وہ گرانمایہ اُصول جو انسان کی دنیا وآخرت اور معاش ومعاد کی درستی کے کفیل ہیں استخارہ بھی انہیں میں سے ایک زرین اُصول ہے مضمون سابق میں آپ حدیث نبوی ﷺ کا یہ جملہ پڑھ چکے ہیں۔

((مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَ لَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ وَ لَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ)). [کنز العمال: ج۴ص۱۷۴]

''جو استخارہ کرتا ہے وہ ناکامیاب نہیں ہوتا اور جو مشورہ کرتا ہے وہ نادم نہیں ہوتا اور جو مصارف میں متوسط چال چلتا ہے وہ محتاج وفقیر نہیں ہوتا۔''

اس ایک مختصر حدیث میں نبی کریم ﷺ نے تین اہم اور نہایت مفید چیزوں کی تعلیم فرمائی ہے۔

(۱) اہم کاموں میں مشورہ لینا (۲) استخارہ کرنا (۳) بخل واسراف کے درمیان متوسط چال رکھنا۔

اور دوسری حدیث میں ہے۔

((مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ اسْتِخَارَتُهُ اللّٰهَ وَ مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ وَ مِنْ شَقَاوَةِ ابْنَ آدَمَ تَرْكُ اسْتِخَارَةِ اللّٰهِ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنَ آدَمَ سَخْطُهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهُ)). [کنز العمال: ج۴ص۱۷۴]

''اللہ تعالیٰ سے مشورہ کرنا آدمی کی نیک بختی کی علامت ہے نیز اللہ کے حکم پر راضی رہنا بھی اس کے لیے سعادت ہے اور ترک استخارہ

بد نیتی کی علامت ہے اور اللہ کے حکم سے ناراض ہونا بھی شقاوت ہے۔''

بندوں کا علم ناقص ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ ایک کام کرنا چاہتا ہے اور اُس کا انجام اُس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے'' صلوۃ استخارہ '' تعلیم فرمائی اور بتایا کہ جب کوئی خاص اور اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالی سے رہنمائی اور توفیقِ خیر کی دُعا کر لیا کرو۔

بعض حکماء کا مقولہ ہے کہ جس کو منجانب اللہ چار چیزیں عطا ہو جائیں وہ چار چیزوں سے محروم نہ رہے گا

یعنی جس کو اللہ تعالی شکر کی توفیق عطا فرمائیں وہ زیادتی نعمت سے محروم نہ رہے گا۔ اور جس کو توبہ کی توفیق دی جائے وہ قبولیت سے محروم نہ ہوگا۔ اور جس کو استخارہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے وہ صحیح رائے اور مفید نتیجہ سے محروم نہ کیا جائے گا۔ اور جس کو مشورہ کرنے کی عادت ہو وہ صحیح رائے کے سمجھنے میں دھوکہ نہ کھائے گا۔

حضرت جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص کسی مُہتَم بالشان کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیے کہ اور دو رکعت نماز بہ نیت نفل پڑھے۔ عام روایات حدیث میں اسی قدر مذکور ہے (کما رواہ البخاری) اور احیاء العلوم وغیرہ کی بعض احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ اس کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یاایھا الکافرون پڑھے اور دوسری میں

قل ھو اللہ احد۔ [اسلام میں مشورہ کی اہمیت ص۱۸۴]

دعاء استخارہ

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے تمام کاموں کے لیے دعائے استخارہ اس طرح سکھاتے تھے جیسے قرآن کریم کی کوئی سورت سکھاتے تھے (یعنی آپ اس دعا کی تعلیم کا بہت اہتمام رکھتے تھے) چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئیے کہ فرض نماز کے علاوہ دو رکعت (نفل) نماز پڑھے پھر یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَ لَا اَقْدِرُ وَ تَعْلَمُ وَ لَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ اَوْ قَالَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ اَوْ قَالَ فِیْ عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ قَالَ وَیُسَمِّیْ حَاجَتَهٗ.

[مشکوۃ: ص ۱۱۶]

''اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیری صفت علم کے وسیلہ سے خیر اور بھلائی کی رہنمائی چاہتا ہوں' اور تیری صفت قدرت کے ذریعہ تجھ سے قدرت کا طالب ہوں' اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں' کیونکہ تو قادرِ مطلق ہے۔ اور میں بالکل عاجز ہوں' اور تو علیمِ کُل ہے اور میں حقائق سے بالکل ناواقف ہوں' اور تو سارے غیبوں سے بھی باخبر ہے۔ پس اے میرے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے بہتر ہو میرے دین' میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کو میرے لیے مقدر کر دے اور آسان بھی فرما دے۔ اور پھر اس میں میرے لیے برکت بھی دے۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے بُرا ہے (اور اس کا نتیجہ خراب نکلنے والا ہے) میرے دین' میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کام کو مجھ سے الگ رکھ اور مجھے اس سے روک دے اور میرے لیے خیر اور بھلائی کو مُقدّر فرما دے' وہ جہاں اور جس کام میں ہو' پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کر دے۔

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:۔

''جس کام کے بارے میں استخارہ کرنے کی ضرورت ہو استخارہ کی دعا کرتے ہوئے صراحۃً اس کا نام لے۔''

جیسا کہ اس دعا کے مضمون سے ظاہر ہے استخارہ کی حقیقت اور اس کی رُوح یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی اور بے علمی کا احساس واعتراف کرتے ہوئے

اپنے علیمِ کُل اور قادرِ مطلق سے رہنمائی اور مدد چاہتا ہے اور اپنے معاملہ کو اس کے حوالہ کر دیتا ہے کہ جو اس کے نزدیک بہتر ہو بس وہی کر دے' اس طرح گویا وہ اپنے مقصد کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے' اور جب اُس کی یہ دُعا دل سے ہو جیسے کہ ہونا چاہیے تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ اپنے اس بندے کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائے۔

استخارہ کی برکت یہ ہے کہ کام شروع کرنے والے کے حق میں اس کام کے کرنے کا جذبہ اور داعیہ دل میں بڑھ جاتا ہے' یا اس کے برعکس اس کی طرف سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے' ایسی صورت میں ان دونوں کیفیتوں کو منجانب اللہ اور دُعا کا نتیجہ سمجھنا چاہیے، اور اگر استخارہ کے بعد تذبذب کی کیفیت رہے تو استخارہ بار بار کیا جائے' اور جب تک کسی طرف رجحان نہ ہو جائے اقدام نہ کیا جائے۔ استخارہ کے لیے دعا پڑھ کر سونا شرط نہیں ہے۔

استخارہ کا طریقہ

استخارہ کا طریقہ یہ ہے کہ باوضو ہو کر کسی بھی وقت علاوہ اوقاتِ مکروہہ کے استخارہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے اور اس کے بعد مذکورہ دعا پڑھی جائے۔ اگر سنت کی، تحیۃ المسجد کی یا تحیۃ الوضو کی پڑھی جانے والی نمازوں میں سے ہی دو رکعت پڑھنے کے بعد دُعاءِ استخارہ پڑھ لی جائے تو بھی جائز ہے لیکن اَولیٰ یہی ہے کہ علیحدہ سے دو رکعت نماز بطورِ خاص استخارہ کی نیت ہی سے پڑھنی چاہیے۔

دعا کے الفاظ "اَوْ عَاجِلِ اَمْرِیْ" میں صرف "اَوْ" راوی کے شک

کو ظاہر کر رہا ہے، یعنی راوی کو شک واقع ہو گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ''فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ'' فرمایا ہے یا ان تینوں الفاظ کی جگہ ''عَاجِلِ اَمْرِیْ وَاٰجِلِہٖ'' فرمایا ہے۔ بہر حال افضل یہ ہے کہ اس دعاء میں یہ دونوں جملے پڑھے جائیں۔

حدیث کے آخری الفاظ ''وَیُسَمِّیْ حَاجَتَہٗ'' کا مطلب یہ ہے کہ دعاء میں لفظ ھذا الامر بطریق عموم واقع ہے۔ استخارہ کرنے والا اپنی دعاء میں اس جگہ اپنا مقصد اور اپنی مراد ظاہر کرے مثلاً ''ھٰذَا الْاَمْرَ'' کی بجائے یوں کہے ''ھٰذَا السَّفَرَ یا ھٰذَا الْاِقَامَۃَ'' یا اسی طرح جو بھی مقصد ہو ذکر کرے نیز یہ بھی جائز ہے کہ پہلے ھٰذَا الْاَمْرَ کہہ لے اس کے بعد اپنا مقصد اور اپنی مراد کا ذکر کرے۔

ایک اور روایت میں یہ مختصر استخارہ بھی منقول ہے کہ ''اگر کسی شخص کو جلدی ہو اور کوئی وقتی وہنگامی کام ہو تو اُسے چاہیے کہ وُہ صرف یہ پڑھ لے۔

((اَللّٰھُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْلِیْ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی اخْتِیَارِیْ))

''اے اللہ! (میرے حق میں تیرے نزدیک جو بہتر اور مناسب ہو اُسے) میرے لیے پسند اور میرے لیے اختیار فرما اور مجھے میرے اختیار کا پابند نہ بنا۔''

حضرت انسؓ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ

''اے انس! جب تم کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے بارہ میں اللہ

تعالیٰ سے سات مرتبہ استخارہ کرو' پھر اس کے بعد (اس کا نتیجہ) دیکھو' تمہارے دل میں جو کچھ ڈالا جائے (یعنی استخارہ کے نتیجہ میں بارگاہ حق کی جانب سے' جو چیز القا کی جائے) اسی کو اختیار کرو کہ تمہارے لئے وہی بہتر ہے۔

تمت الرِّسَالَةُ

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ. ط

العبد الضعیف

محمد علی جانباز

نومبر ۲۰۰۶ء

شیخ الحدیث محمد علی جانباز حفظہ اللہ تعالیٰ

کی دیگر علمی اور تحقیقی تصنیفات